مجلسِ ادارت

۱۔ جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی

۲۔ جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۳۔ شاہ معین الدین احمد ندوی

۴۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن

بزمِ تیموریہ جلد اوّل

بزمِ تیموریہ جلد اوّل کے پہلے اڈیشن میں تمام مغل سلاطین، اُن کے شاہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق اور اُن کے دربار کے امراء شعراء و فضلاء کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا تذکرہ تھا اب اُس کو بکثرت اضافوں کے ساتھ دو جلدوں میں کر دیا گیا ہے۔ تاکہ تمام مغل سلاطین، اور اُن کے عہد کے ادب و زبان کا پورا مرقع نگاہوں کے سامنے آجائے، پہلی جلد میں بابر، ہمایوں، شہنشاہ اکبر کے علمی ذوق، اور اُن کے عہد کے، اور اُن کے دربار سے متوسل علماء و فضلاء و شعراء کا تذکرہ، اور اُن کے کمالات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس میں اس قدر ترمیم اور اضافے ہو گئے ہیں، کہ اپنے مواد و معلومات کے اعتبار سے بالکل نئی کتاب ہو گئی ہے، اور پہلے اڈیشن سے کہیں زیادہ جامع اور مکمل اور قابلِ مطالعہ، جہانگیر سے لے کر آخری مغل تاجدار تک کی جلد زیرِ ترتیب ہے،

قیمت :- ۱۲ روپیہ،

مرتبہ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن

جلد ۱۱۳ ۔ ماہ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۷۴ء ۔ عدد ۱

مضامین

بزمِ صوفیہ

عہد تیموری سے پہلے کے صاحب تصنیف صوفیۂ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات و تعلیمات و ملفوظات، جس میں حضرت نوشہ شیخ عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح و حالات اور تعلیمات کا مستقل اضافہ ہے۔

مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ۔ قیمت للعہ ۔ "منیجر"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

آیندہ مہینہ یو۔پی کی مجلس مقننہ کا انتخاب ہے، گذشتہ ۲۶ سال کی انتخابی مہم کی طرح اس مرتبہ بھی اردو کی حمایت میں حکومت کی طرف سے تقریریں ہو رہی ہیں، اردو بولنے والے ان تقریروں کی نوعیت سے اب اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں،

ترے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا   کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

حکومت کی انتخابی مہم کی کامیابی کے بعد اردو بولنے والے اس کے آستانے پر پہنچتے ہیں تو ان کی زبانِ حال کہتی ہے

واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر   یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رسائی ہے

اس میں شک نہیں کہ اردو کے معاملہ میں کانگریسی حکومتوں کے رویے میں پہلی جیسی سختی اور بے توجہی نہیں رہی، مرکزی حکومت کی طرف سے غالب کا صد سالہ جشن دھوم دھام سے منایا گیا، دہلی میں غالب ہال بھی تعمیر ہوا، تقسیم ہند کے بعد اقبال کی نظموں کو نصاب کی کتابوں میں شامل کرنا پسند نہیں کیا جاتا تھا، لیکن اب مرکزی حکومت کی طرف سے اقبال کا بھی صد سالہ جشن منایا جانے والا ہے، ان پر جا بجا سیمنار بھی ہو رہے ہیں، مقالے بھی پڑھے جا رہے ہیں، ان کی تحریروں اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کی نمائش بھی منعقد کی جا رہی ہے، اب وہ پاکستان ہی کے نہیں بلکہ ہماری مادرِ وطن کے بھی دوست شاعر تسلیم کیے جا رہے ہیں، دہلی میں اردو بورڈ، لکھنؤ اور پٹنہ دونوں جگہوں پر اردو اکیڈمی بھی قائم کر دی گئی ہے، اردو کے بعض ادارے کبھی کبھی مالی امداد سے بھی نوازے جاتے ہیں، اردو کے فروغ کے لیے تجویزیں بھی مرتب ہو رہی ہیں،

پرائمری اسکولوں میں اردو کے اساتذہ بھی مقرر کیے جا رہے ہیں، عدالتوں میں اردو میں درخواست دینے کا حکم بھی جاری کر دیا گیا ہے، کیا اردو بولنے والے ان باتوں سے مطمئن ہو گئے ہیں؟ حکومت تو یہی کہے گی کہ انکو مطمئن ہو جانا چاہیے۔

کانگریسی حکومتیں گاندھی جی کے اصولوں پر چلنے کا دعویٰ کرتی ہیں، دار المصنفین کے سابق صدر ڈاکٹر سید محمود مرحوم کی روایت ہے کہ ۱۹۳۰۔۳۱ء میں انھوں نے نیشنلسٹ مسلمانوں کی جا بجا کمیٹیاں قائم کیں تاکہ جنگِ آزادی میں وہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے قریب تر کریں، اس کے لیے انھوں نے ملک کا دورہ کیا، انکی ان کوششوں کی داد ہر طرف سے ملی جس سے بقول ان کے ان کا نفس بھی موٹا ہو گیا، جب انھوں نے اپنی سرگرمیوں کا حال گاندھی جی کو لکھا تو ان سے داد پانے کے بجائے جواب ملا کہ جب تمھاری تنظیم میں بڑی تعداد میں ہول ٹائم ورکر پیدا ہو جائیں اور وہ ایسا کام انجام دیں جس کا اعتراف مسلمان عوام کسی دباؤ کے بغیر خود کریں اور دل سے سمجھیں کہ ان کیلئے واقعی کوئی مفید کام انجام پا رہا ہے تو پھر تم صحیح معنوں میں مبارکباد کے مستحق ہو سکتے ہو۔

گاندھی جی کے اصول کے مطابق کانگریسی حکومتیں اردو کی مستحق اسی وقت ہو سکتی ہیں جب انکے تمام سرکاری ملازمین بھی اردو سے بناوٹی نہیں بلکہ سچی ہمدردی رکھیں اور اردو سے متعلق تمام احکام کی پابندی ایمانداری سے کرائیں جس کے بعد اردو بولنے والے کسی دباؤ کے بغیر دل سے سمجھیں کہ اردو کیلئے انکی مرضی کے مطابق مفید کام انجام پا رہا ہے؟ اردو مصنفوں کے انعام پانے، اردو لغت کی ترتیب دلانے، یا بلند پایہ کتابوں کے ترجمے کرانے یا اردو کے مشہور شعراء کا صد سالہ جشن منانے کی خبریں سنکر اردو بولنے والے اپنی اشک شوئی تو کر لیتے ہیں لیکن وہ ذہنی اور جذباتی طور پر مطمئن نہیں ہوتے، سکندر نے پورس سے پوچھا تھا کہ تم کس قسم کا سلوک چاہتے ہو، شکست خوردہ پورس نے جواب دیا تھا کہ وہی سلوک جو ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کے ساتھ کرتا ہے، ہندی کے آگے اردو نے اپنا سپر ڈالدیا ہے، اور اردو بولنے والے ہندی کو اپنی قومی زبان سمجھکر اسکے سیکھنے میں سرگرم ہیں، پھر بھی وہ اپنی مادری زبان کے ساتھ وہی حسن سلوک چاہتے ہیں جو ہندوستان کے اور شہریوں کی مادری زبانوں کے ساتھ کیا جا رہا ہے، اردو بولنے والے پورس ہی سہی مگر ملک کے سکندر رسی وہ زبانی دلجوئی کے بجائے عملی فراخدلی اور سچی رواداری چاہتے ہیں، کیونکہ ملک کی حکومتوں

کو یہاں کے ہر طبقہ میں ہر دلعزیز بنانے کا بار ان ہی کے سر ہے۔ ع

چمن میں خوش نوایان چمن کی آزمایش ہے

اردو کے بہی خواہوں کو اگر اپنی مادری زبان سے واقعی محبت ہو تو ان کو بھی وقتی تسلیوں یا کسی اور قسم کی بیساکھیوں کا سہارا نہ لینا ہوگا، انکی زبان، انکی خود شکستگی، بیچارگی، حکومت کی بے توجہی کی شکوہ سنجی اور نوحہ خوانی سے زندہ نہیں رہ سکتی ہے بلکہ اس کے لیے ان کو خود اعتمادی، خود شناسی، ہوشمندی، تعمیری چارہ جوئی اور ایثار پسندی سے کام لینا ہوگا، ورنہ ان کو اس کیلئے اسی طرح رونا ہوگا جس طرح ہندوستان کی فارسی بولنے والی نسلیں فارسی کے لیے رو چکی ہیں، مگر اردو اور فارسی میں فرق یہ ہے کہ اردو ہندوستانی نژاد ہے یہیں وہ پیدا ہوئی اور نشو و نما پاتی رہی، اور یہیں اسکو زندہ رہنے کا حق ہے جمہوری دور میں حق کی بھیک نہیں ملتی، بلکہ حق ایثار پسند اور مدبر کارگذاریوں سے منوایا جاتا ہے، اسلیے خود اردو کے پرستاروں کو اپنی آزمایش کا سامنا ہے، یہ زبان نہ صرف حکومت بلکہ ان سے بھی کہہ رہی ہے

جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمایش ہے

اسی مہینہ مولانا شبلی ندوی کی وفات تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں ہوگئی، وہ اپنی زندگی میں سب سے پرانے ندوی کی حیثیت سے عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، شروع ہی سے بڑے خاکسار، متواضع اور ایثار پسند رہے، علامہ شبلی نعمانی کے محبوب اور معتمد شاگردوں میں تھے، وہ انکو متکلم شبلی کہا کرتے تھے، اپنے بستر مرگ پر انکو نصیحت کی تھی کہ جہاں رہو میری طرز تعلیم کو پھیلاتے رہو، ان ہی کی خواہش سے مدرستہ الاصلاح سرائمیر میں مدرس ہوئے، اسکی خدمت میں پوری زندگی گذار دی، وہاں کے اختلافات کی وجہ سے کچھ دنوں اس سے علحدہ رہے لیکن پھر وہاں آگئے تھے، انکی تمنا تھی کہ اسی احاطہ میں دم توڑیں، لیکن آخر زندگی میں بعض اسباب سے انکو پھر اس سے الگ ہونا پڑا، انکی مٹی انکو لکھنؤ لے گئی، علم کلام و معقولات کے بڑے لائق و فاضل مدرس تھے، دار المصنفین سے بھی انکو بڑی محبت رہی، بڑے خوش نصیب باپ تھے، انکی اولاد ہند و بیرون ہند میں اچھے اچھے عہدوں پر مامور ہے، مگر وہ اپنی اصلی اولاد مدرستہ الاصلاح ہی کو سمجھتے رہے، اپنے لڑکوں کے گھروں کی راحت و آسایش کو یہاں کی تلخ و سادہ زندگی پر قربان کرتے رہے، اللہ تبارک و تعالیٰ انکو کروٹ کروٹ جنت نعیم عطا کریں۔ آمین

مقالات

امام نووی کی شرح مسلم پر ایک نظر

از ضیاء الدین اصلاحی

امام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی (م ۶۷۶ھ) جامع کمالات اور کثیر التصانیف محدث تھے، ان کی اکثر تصنیفات کو بڑا قبول و اعتبار حاصل ہوا، ان کی سب سے اہم اور شہرۂ آفاق کتاب شرح مسلم ہے، اس کا اصل نام المنہاج الشرح صحیح مسلم ہے، صحیح مسلم کی بکثرت شرحیں لکھی گئیں ان میں بعض بہت بلند پایہ اور بڑی اہم ہیں جن سے خود امام نووی نے اپنی شرح میں بڑی مدد لی ہے، مگر متقدمین و متاخرین کی کوئی شرح بھی شہرت و مقبولیت اور اعتبار و استناد کے لحاظ سے نووی کی شرح کو نہیں پہونچ سکی،

یہ شرح امام نووی کا ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے جس نے ان کو لازوال شہرت اور محدثین و شراح حدیث میں غیر معمولی امتیاز و تفوق بخشا، وہ شوافع شراح حدیث میں عدیم المثال خیال کئے جاتے ہیں، شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں "علماے شافعیہ میں امام نووی محی السنۃ بغوی اور ابو سلیمان خطابی نہایت قابل اعتماد ہیں، انکا قول نہایت محکم اور ان کی بحثیں نہایت پُر مغز

ہوتی ہیں۔[1]

یہ شرح نہ زیادہ مفصل و مطول ہے اور نہ بہت مختصر و مجمل بلکہ متوسط و جامع شرح ہے اور بیشمار کتب کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، اس میں مصنف نے متعدد علوم و فنون کی سینکڑوں کتابوں سے استفادہ کیا ہے چنانچہ حدیث، اصول و شروح حدیث کے علاوہ فقہ، اصول فقہ، کلام و عقائد، تفسیر و تاریخ، سیر و تراجم، رجال و انساب، لغت و ادب، معانی و بیان، صرف و نحو، قرأت و تجوید اور اعراب و امالی وغیرہ سے متعلق کتابوں کے جابجا حوالے ملتے ہیں،

اس شرح کے بعض خلاصے بھی لکھے گئے ہیں، یہ شرح کئی بار مصر اور ہندوستان کے مختلف مطبعوں سے شائع ہوئی ہے، ۱۹۲۹ء میں مطبعۂ مصریہ ازہر نے اس کا ایک عمدہ اور نفیس ایڈیشن کئی جلدوں میں شائع کیا تھا، اس مضمون میں اسی ایڈیشن کی ابتدائی جلدوں کی مدد سے اس کے متعلق بعض معلومات بیان کئے گئے ہیں،

صحیح مسلم کی طرح نووی کی شرح کا مقدمہ بھی بڑا اہم اور مفید فنی معلومات پر مشتمل ہے، اس سے اصل کتاب کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے، یہ کئی فصلوں میں منقسم ہے اس میں علامہ نوویؒ نے امام مسلمؒ تک اپنا سلسلۂ اسناد بیان کیا ہے، اور اپنے اور ان کے درمیان کے کچھ شیوخ اور امام مسلم کے مختصر حالات و کمالات قلمبند کئے ہیں، اس کے بعد اس زمانہ کے صحیح مسلم کے مروج و متداول نسخوں کے متعلق ضروری معلومات ہیں، پھر صحیحین کی خصوصیات، ان کے درمیان وجوہ ترجیح اور صحیح مسلم کے خصائص و امتیازات، شرائط و اصول اور اس کی تعلیقات و منقطع روایتوں

[1] عجالہ نافعہ مع فوائد جامعہ،

کا ذکر ہے، ایک فصل میں ان حدیثوں کی حیثیت و نوعیت بیان کی گئی ہے، جن کے متعلق امام مسلم نے صحت کا حکم لگایا ہے، پھر صحیح مسلم کی حدیثوں کی تعداد، اس کے حسن ترتیب و تبویب امام مسلم کی تالیف و تصنیف میں غیر معمولی احتیاط ان کی دقت نظر، شان تحقیق، کثرت علم و وسعت نظر اور معرفت بالحدیث وغیرہ کو مثالوں سے واضح کیا گیا ہے، اس کے بعد اس پر اعتراضات و استدراکات اور ان کے جواب کا ذکر اور صحیح مسلم کی تخریج و استدراک میں لکھی جانے والی کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے پھر اصول حدیث کے فنی مباحث و مصطلحات وغیرہ پر محققانہ بحث و کلام ہے، اس مقدمہ میں امام نووی نے اپنی شرح کی جو خصوصیات خود بیان کی ہیں پہلے ان کو نقل کیا جاتا ہے،

۱- اس کی ایک اہم خصوصیت تحریر و تصنیف کی خوبی و دلکشی، عبارت و بیان کی سلاست و روانی اور اعتدال و توسط بتائی ہے، وہ بلند پایہ مصنف تھے اسلئے ان کی دوسری تصنیفات کی طرح یہ شرح بھی حسن تحریر اور سلیقۂ تصنیف کے لحاظ سے نہایت عمدہ اور ممتاز خیال کیجاتی ہے، اور اطناب و تکرار اور حشو و زوائد سے خالی اور جامع و پر مغز ہے، پڑھنے والے کو نہ کوئی دشواری اور الجھاؤ نظر آتا ہے اور نہ وہ گھبراہٹ اور انتشار میں مبتلا ہوتا ہے، جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں:

"اگر لوگوں کی پست ہمتی، علم سے بے رغبتی اور طوالت سے گھبراہٹ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس شرح میں زیادہ بسط و تفصیل سے کام لیتا اور اس کی ضخامت سو جلدوں سے بھی متجاوز ہو جاتی، اس کے باوجود اس میں تکرار اور مملّ اطناب کا عیب نہ پایا جاتا کیونکہ رسول کرم

صلی اللہ علیہ وسلم افصح البیان تھے، آپ کا کلام گوناگوں حقائق و معارف سے معمور ہے، اس لئے اس کی شرح و توضیح کا حق تفصیل ہی سے ادا ہو سکتا تھا مگر میں نے اعتدال و توسط سے کام لیا ہے اور اکثر موقعوں پر طوالت کے مقابلہ میں اختصار کو ترجیح دی ہے......... دلائل کی جانب محض سرسری اشارات کئے گئے ہیں، البتہ جہاں ناگزیر تھا وہاں بسط و تفصیل سے بھی کام لیا گیا ہے لیکن اختصار کے باوجود عبارت میں کوئی ابہام اور الجھاؤ نہیں ہے اور وہ سلیس اور رواں ہے۔" (مقدمہ نووی ص ۵)

۲- اس کی دوسری خصوصیت جامعیت ہے یعنی حدیثوں کی شرح و وضاحت کے سلسلہ میں گوناگوں خفی نکات، متنوع مطالب و حقائق، مختلف احکام و آداب اور مفید مسائل و مباحث بیان کئے گئے ہیں، وہ لکھتے ہیں:-

"انشاء اللہ یہ حدیث کے علوم، ان کے اصول و فروع کے احکام و آداب اور اور شریعت کے قواعد و ضوابط کی جامع ہوگی۔" (ایضاً)

احادیث کے مشکل الفاظ و لغات کی توضیح اور رواۃ و رجال کی تحقیق میں بڑی ژرف نگاہی سے کام لیا گیا ہے اور اس میں فقہ و احکام اور اسانید و متون حدیث کے متعلق مفید اور بیش قیمت معلومات کا وسیع ذخیرہ ہے،

۳- جو حدیثیں بظاہر مختلف و متضاد معلوم ہوتی ہیں، اُن میں جمع و تطبیق کی صورتیں بیان کرکے دکھایا گیا ہے کہ حدیثوں میں اشکال و تعارض انہی لوگوں کو نظر آتا ہے جنکو حدیث و فقہ میں زیادہ بصیرت نہیں ہوتی۔

۴- حدیث سے مستنبط ہونے والے عملی مسائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

آگے ان خصوصیات کو مثالوں کے ذریعہ واضح کیا جائیگا اور بعض مزید خصوصیات بھی بیان کیجائیں گی، اس سے پہلے وہ دلچسپ بحث قابل ذکر ہے جو امام نووی نے صحیحین کے تقابل کے متعلق لکھی ہے۔

صحیحین میں تقابل

امام بخاریؒ کی عظمت اور ان کی صحیح کی تمام کتب حدیث میں اہمیت و برتری مسلم ہے۔ امام نووی کو بھی اس کا اعتراف ہے اور انھوں نے جابجا صحیح بخاری کے افضل و برتر ہونے کا ذکر کیا ہے اور ان کے نزدیک بعض مغاربہ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ صحیح مسلم حدیث کی سب سے بہتر اور صحیح کتاب ہے، اس کے باوجود انھوں نے اس کی بعض ایسی خصوصیات بیان کی ہیں جن سے اس کو صحیح بخاری پر بھی امتیاز حاصل ہو جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"صحیح مسلم کی بعض منفرد اور امتیازی خصوصیات بھی ہیں، مثلاً سہل اور آسان ہونے کی وجہ سے استفادہ میں سہولت ، امام مسلمؒ ہر حدیث کو اس کے مناسب موقع و محل اور موزوں جگہ پر بیان کرتے ہیں اور اس کے تمام مختار طرق، متعدد سندیں اور مختلف الفاظ وغیرہ بھی تحریر کر دیتے ہیں، اس سے طالبین فن کیلئے اس کے تمام وجوہ پر نظر کرنا اور استفادہ سہل ہو گیا ہے، اس کے برخلاف امام بخاریؒ مختلف وجوہ و طرق کو جدا جدا ابواب میں بیان کرتے ہیں اور اکثر حدیثیں ایسے ابواب میں لاتے ہیں جن کی طرف ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا، گو اس سے ان کے پیش نظر ایک خاص غرض و حکمت ہوتی ہے مگر طلبۂ حدیث کے لئے اس کے جملہ طرق کو جمع کرنا دشوار ہو گیا ہے اسی بنا پر متاخرین محدثین کی ایک جماعت کو غلط فہمی ہوئی ہے اور انھوں نے صحیح بخاری کی بعض حدیثوں کے بارہ میں یہ فیصلہ کر دیا ہے

کہ وہ اس میں نہیں ہیں حالانکہ موجود ہوتی ہیں۔" (مقدمہ ص ۱۴، ۱۵)

صحیح بخاری کے مقابلہ میں صحیح مسلم کی ایک اور جگہ خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"کوئی شخص بھی علم الاسناد کی ان دقیق اور عمدہ باتوں میں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے، امام مسلم کا شریک وسہیم نہیں ہے، اگرچہ امام بخاریؒ کی کتاب اس سے زیادہ صحیح، جلیل القدر اور احکام ومعانی کے بیشمار فوائد پر مشتمل ہے، تاہم امام مسلم کی کتاب میں صنعت اسناد کی بعض ایسی خصوصیات ہیں جو اس کو صحیح بخاریؒ سے بھی نمایاں اور ممتاز کرتی ہیں۔" (ص ۱۵)

امام نوویؒ کی شرح حدیث کا طریقہ

امام نووی کا طریقہ بحث اور روایات و احادیث کی تشریح و وضاحت کا انداز یہ ہے کہ پہلے وہ ہر بحث سے متعلق تمام روایتوں کے مختلف وجوہ وطرق بیان کر کے ان کے فرق اور متن کے اختلاف کی تصریح کرتے ہیں، پھر ان کے اسناد و رُوات پر گفتگو میں مشکل ناموں کو ضبط اور سب کے مختصر حالات وتراجم اور ان کی ثقاہت و عدم ثقاہت اور علم حدیث میں اہمیت وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں اس کے بعد اصل متن پر مفصل بحث، مشکل الفاظ و لغات کی ضبط وتحقیق، محاوروں اور جملوں کی تشریح اور حدیث کے خاص خاص نکات اور ان سے مستنبط عملی احکام، مسائل وآداب وغیرہ کی وضاحت اور ان کے بارہ میں اہل علم کے مختلف آراء و مسالک وغیرہ بیان کرتے ہیں اور شروع یا آخر میں اہم مباحث کا خلاصہ اور ماحصل بھی تحریر کر دیتے ہیں۔

اس طریقہ بحث وتحقیق کا اندازہ کرنے کے لئے بعض بحثوں کا خلاصہ پیش کیا

جاتا ہے،

ایک مشہور حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دین نصیحت ہے، لوگوں نے پوچھا کس کے لئے؟ ارشاد ہوا، اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول اور ائمہ وعوام مسلمین کے لئے"،

امام نووی اس کی وضاحت میں لکھتے ہیں:-

"اس عظیم الشان حدیث پر اسلام کا دارومدار ہے بعض علما کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ یہ ان چار حدیثوں میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا انحصار ہے بلکہ درحقیقت مجرد اس حدیث پر بھی اسلام کا مدار ہے امام ابوسلیمان خطابی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "نصیحت ایک نہایت جامع اور بلیغ لفظ ہے، کسی کے لئے نصیحت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس کے حق اور حصہ کی پوری پوری حفاظت کی جائے، اس مفہوم کی مکمل تعبیر عربی زبان کے کسی اور لفظ سے ممکن نہیں، جس طرح دنیا و آخرت کے خیر کے لئے عربی زبان میں فلاح سے زیادہ جامع اور کوئی لفظ نہیں ہے، یہ اصل میں "نصح الرجل ثوبہ" سے نکلا ہے، اس حیثیت سے منصوح لہ کے لئے ناصح کے عمل صلاح کی مثال کپڑے کے چاک کو درست کرنیوالی چیز کی ہوگی، بعض لوگوں نے اس کو "نصحت العسل" سے ماخوذ بتایا ہے جس کے معنی شہد کو موم سے خالص کر لینے کے ہوتے ہیں، اس صورت میں اسکا مفہوم یہ ہوگا کہ منصوح لہ کے لئے ناصح کا عمل ہر قسم کی آلائش اور کھوٹ سے خالص اور تمامتر پاک ہے، حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ دین حق کی بنیاد اور دارومدار ایسی ہی خالص نصیحت پر ہے، اس طرز کلام کی مثال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں بھی ہے کہ (الحج عرفۃ) یعنی حج کا دارومدار عرفہ کے قیام پر منحصر ہے۔

امام خطابی وغیرہ نے نصیحت کی تفسیر اور قسموں پر اچھی بحث کی ہے، ذیل میں اس کی تلخیص بعض اضافوں کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔

اللہ کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، اس کا کسی کو شریک نہ بنایا جائے، اسکی صفتوں میں کسی قسم کی بے راہ روی نہ اختیار کی جائے بلکہ اس کو کمال وجمال کے تمام اوصاف سے متصف اور نقائص سے منزہ قرار دیا جائے، اس کی اطاعت پر قائم رہا جائے اور اس کی نافرمانی سے بچا جائے، اسی کے لئے دوستی اور دشمنی کی جائے، اس کے مطیع و منقاد بندوں کو دوست اور نافرمان لوگوں کو دشمن سمجھا جائے، اس کے منکرین سے جہاد کیا جائے، اس کی نعمتوں پر اسکا شکر ادا کیا جائے، تمام کاموں میں اخلاص اور نیک نیتی پیش نظر رکھی جائے اور ان باتوں کی دوسروں کو بھی تلقین کی جائے، امام خطابی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی نصیحت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہر چیز سے مستغنی اور بے نیاز ہے اس لئے نتیجہ کے اعتبار سے اس کے لئے نصیحت خود بندہ ناصح ہی کے لئے مفید اور کارآمد ہے۔

خدا کی کتاب کے لئے نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ بندہ اس کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لائے اور کسی مخلوق کے کلام کو اس کے مشابہ یا اس سے بہتر نہ سمجھے، اس کی تعظیم کرے، اس کی عمدہ اور بہتر طور پر تلاوت کرے، اس کے حروف کی ادائگی میں اوقات و مخارج کی صحت کا لحاظ رکھے، اس میں تحریف و تلبیس نہ کرے اور باطل تاویلیں کرنے والوں کی آمیزشوں سے اس کو بچائے، اس میں جو کچھ بھی ہے، اسکی تصدیق اور اس کے احکام سے واقفیت حاصل کرے، اس کے علوم و امثال کو جانے اور سمجھے، اس کی نصیحتوں سے عبرت حاصل کرے اور اس کے عجائب میں

غور و فکر کرے، اس کے محکم پر عمل اور متشابہ کو تسلیم کرے، اس کے عموم و خصوص اور ناسخ و منسوخ کی بحث و تحقیق اور اس کے علوم کی نشر و اشاعت کرے، اور اسکے لئے نصیحت کے جو تقاضے بیان کئے گئے ہیں ان کی دوسروں کو بھی دعوت و تلقین کرے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصیحت، آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنا، آپ کی لائی ہوئی تمام باتوں پر ایمان لانا، امر و نہی میں آپ کی اطاعت اور آپ کی حمایت و نصرت کرنا آپ سے محبت کرنے والوں سے محبت اور دشمنوں سے نفرت و عداوت رکھنا، آپ کے مقام و مرتبہ کی عظمت اور آپ کی عزت و توقیر کرنا، آپ کے حقوق ادا کرنا، آپ کے طریقہ کو اختیار کرنا اور آپؐ کی سنتوں کو زندہ کرنا، آپ کی دعوت و شریعت کی نشر و اشاعت کرنا اسکے بارے میں الزامات و اعتراضات کی تردید کرنا آپکے ارشادات و علوم میں خود تفقہ و بصیرت سے کام لینا اور دوسروں کو بھی اسکی دعوت دینا، انکی عظمت و احترام کو ملحوظ رکھنا، ان کو پڑھتے وقت مؤدب رہنا، بغیر علم و واقفیت کے ان کے بارہ میں کلام کرنے سے احتراز کرنا، علوم نبوت کے حاملین کی توقیر و تعظیم کرنا، آپ کے اخلاق و آداب کو اختیار کرنا، آپ کے اصحاب اور اہل بیت سے محبت و تعلق رکھنا اور ان لوگوں سے مجتنب رہنا جو آپ کی سنتوں میں مبتدع اور آپکے اصحاب کے بارہ میں نکتہ چینی کرتے ہوں،

ائمہ مسلمین کے لئے نصیحت کا مفہوم یہ ہے کہ حق بات میں ان کی معاونت اور اس کی ان کو تاکید کرنا، ان کی تنبیہ و تذکیر میں نرمی سے کام لینا اور جن امور سے وہ ناواقف ہوں اور مسلمانوں کے جو حقوق ان کو معلوم نہ ہوں ان سے ان کو

واقف کرانا ان کے خلاف خروج و بغاوت نہ کرنا، اور لوگوں کے دلوں کو ان کی اطاعت کی جانب مائل کرنا، امام خطابی فرماتے ہیں کہ آئمہ کے لئے نصیحت میں یہ باتیں بھی داخل ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے ساتھ جہاد کرنا، ان کو صدقہ و زکوٰۃ کی رقمیں دینا، ان کے خلاف تلوار نہ اٹھانا، ان کی جھوٹی تعریف کر کے ان کو دھوکے میں نہ ڈالنا، ان کے صلاح کے لئے دعا کرنا، مگر یہ سب اس صورت میں جب ائمہ مسلمین وہ خلفا ہوں جو مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار ہوتے ہیں، امام خطابی نے ان میں علمائے دین کو بھی شامل کر لیا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کے لئے نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ بیان کریں ان کو قبول کیا جائے اور احکام و مسائل میں ان کی تقلید کی جائے اور ان کے بارہ میں حسن ظن سے کام لیا جائے۔

عامۂ مسلمین کے لئے نصیحت یہ ہوگی کہ دنیا و آخرت کے اندر ان کی بہتری کے جو کام ہوں یا جن کاموں سے ان کے مصالح وابستہ ہوں ان کی ان کو تلقین کرنا، ان کو اذیت اور ضرر نہ پہنچانا، دین کے جن امور سے وہ ناواقف ہوں ان سے ان کو آگاہ اور ان کی تحصیل میں قولاً و عملاً ان کی مدد کرنا، ان کی پردہ پوشی اور ان کی ضرورتیں پوری کرنا، ضرر رساں کاموں سے ان کو بچانا، نرمی و اخلاص کے ساتھ ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا۔ ان سے شفقت کا برتاؤ، بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر شفقت کرنا، ان کو موعظتِ حسنہ کرنا۔ ان سے کینہ، حسد اور کپٹ نہ رکھنا، ان کے لئے وہی چیزیں پسند کرنا جو اپنے لئے پسند ہوں اور ان چیزوں کو ناپسند کرنا جو اپنے لئے ناپسند ہوں، ان کی عزت و آبرو اور مال و دولت کی حفاظت کرنا، نصیحت کے جو انواع بیان کی گئی ہیں ان کی ان کو تلقین کرنا اور

اطاعت الٰہی کے لئے ان کو آمادہ اور تیار کرنا۔ (جلد ۲ ص ۳۷ تا ۳۹)

صحیح مسلم کے مقدمہ کی ایک روایت میں حضرت قتادہؓ کی ابو داؤد اعمیٰ پر نقد و جرح کے ضمن میں طاعون جارف کا ذکر آگیا ہے، اس کے متعلق ایک محققانہ بحث ملاحظہ ہو۔

"طاعون جارف کے سنہ کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، امام ابو عمر ابن عبدالبر نے التمہید کے شروع میں لکھا ہے کہ ایوب سختیانی کی وفات ۱۳۲ھ میں طاعون جارف کے زمانہ میں ہوئی تھی اور ابن قتیبہ نے معارف میں اصمعی سے روایت کی ہے کہ ابن زبیر کے زمانہ ۶۷ھ میں طاعون جارف ہوا تھا، یہی قول ابو الحسن علی بن محمد بن ابی سیف مدائنی نے بھی اپنی کتاب التعازی میں نقل کیا ہے، بلکہ انھوں نے شوال کے مہینہ کی بھی تصریح کی ہے۔ اسی کے قریب قریب کلاباذی کا قول بھی ہے، وہ رجال البخاری میں لکھتے ہیں کہ ایوب سختیانی ۶۶ھ میں پیدا ہوئے تھے، قاضی عیاض نے ۱۱۹ھ کو طاعون کا سنہ بتایا ہے، حافظ عبد الغنی مقدسی نے عبد اللہ بن مطرف کے ترجمہ میں یحییٰ بن قطان کے واسطے سے بیان کیا ہے کہ انکا انتقال طاعون جارف کے جو ۸۷ھ کا واقعہ ہے بعد ہوا، اور یونس بن عبید کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا تھا، یہ واقعہ طاعون کے بعد پیدا ہوا اور ۱۳۷ھ میں فوت ہوئے۔

یہ تمام اقوال متعارض ہیں، درحقیقت طاعون کی وبا متعدد بار پھیلی اور ہر دفعہ کا طاعون، جارف کہلاتا تھا کیونکہ جرف کے معنی سب میں موجود تھے، ابن قتیبہ نے معارف میں اصمعی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ پہلا طاعون عہد

اسلام میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں شام کا طاعون عمواس ہے، اس میں حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل وغیرہ کا انتقال ہوا تھا، دوسرا حضرت ابن زبیرؓ کے زمانہ کا ہے، پھر طاعون فتیات یا طاعون اشراف شام، بصرہ، کوفہ اور واسط میں رونما ہوا، سنہ ۱۰۰ھ میں طاعون عدی بن ارطاۃ پیش آیا، اس کے بعد سنہ ۱۲۷ھ کا طاعون غراب (غراب ایک شہر کا نام ہے)، ہے، پھر سنہ ۱۳۱ھ میں طاعون مسلم بن قتیبہ کا واقعہ پیش آیا۔ یہ طاعون شعبان میں شروع اور شوال میں ختم ہوا، اسی میں ایوبؒ سختیانی کا انتقال ہوا تھا، مکہ و مدینہ ہمیشہ طاعون کی زد سے محفوظ رہے،

ابوالحسن مدائنی لکھتے ہیں کہ اسلامی عہد کے مشہور اور بڑے پانچ طاعون ہیں، ایک مدائن کا شیرویہ جو سنہ ۶ھ میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا۔ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ کا طاعون عمواس جو شام میں ہوا، اور اس میں ہزاروں آدمی ہلاک ہوئے پھر ابن زبیرؓ کے زمانہ کا طاعون جارف جو سنہ ۶۹ھ کا واقعہ ہے، اس میں بھی بیشمار افراد فوت ہوئے، حضرت انسؓ بن مالک اور عبدالرحمن بن ابی بکرہ کی موت اسی میں ہوئی تھی، اس کے بعد سنہ ۸۷ھ کا طاعون فتیات ہے اور آخری سنہ ۱۳۱ھ کا طاعون ہے جس کا زیادہ زور رمضان کے مہینہ میں تھا، اور اس میں ہزاروں اشخاص کی موت ہوئی، ایک اور طاعون کا واقعہ کوفہ میں پیش آیا تھا، اس میں حضرت مغیرہؓ کا سنہ ۵۰ھ میں انتقال ہوا تھا،

طاعون عمواس کا زمانہ سنہ ۱۸ھ ہے، ابوزرعہ دمشقی نے سنہ ۱۷ھ کی بھی روایت کی ہے، عمواس، بیت المقدس اور رملہ کے درمیان ایک گاؤں ہے، اس کی طرف طاعون کی نسبت اس لئے کی گئی ہے کہ اس کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی، ایک قول

یہ ہے کہ طاعون کی عمومیت اور ہمہ گیری کی وجہ سے یہ نام پڑا تھا، عبدالغنی نے حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کے ترجمہ میں یہ دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔

حضرت قتادہؓ نے ابوداؤد اعمی پر نقد وجرح کرتے ہوئے جس طاعون جارف کا ذکر کیا ہے، ان اقوال سے اس کا زمانہ متعین کرنا آسان اور قاضی عیاض کے قول کا باطل ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ کی ولادت سنہ ۶۱ھ میں اور مشہور قول کے مطابق وفات سنہ ۱۱۷ھ میں ہوئی، اس لئے ان کے ذکر کردہ طاعون کا واقعہ اسی درمیان میں پیش آیا ہوگا۔ اب یہ چاہے سنہ ۶۷ھ والا طاعون ہو، جب وہ چھ سال کے تھے یا سنہ ۸۷ھ والا طاعون مراد ہو اور یہی زیادہ اظہر ہے واللہ اعلم (ج ۱ ص ۱۰۵ تا ۱۰۶)

امام مسلم کے انداز بیان کی وضاحت

امام نووی کی شرح کی خوبی کا ایک خاص ثبوت یہ ہے کہ صحیح مسلم پر ان کی نہایت وسیع اور گہری نظر تھی اور وہ اس کے طرز بیان اور اسلوب کلام کے پورے واقف تھے اور انھوں نے بعض جگہ ان کے مخصوص اسلوب بیان وغیرہ کی وضاحت بھی کی ہے، مثلاً باب الوضوء مما مست النار میں لکھتے ہیں،

"امام مسلمؒ نے اس باب میں پہلے وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ سے مس کی ہوئی (پکی) چیز کھا لینے سے وضو باقی نہیں رہتا اور آخر میں جو حدیثیں نقل کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وضو باقی رہتا ہے اور پکی ہوئی چیز کھا لینے کے باوجود وضو کرنا ضروری نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا حکم یعنی وضو کا کیا جانا منسوخ ہوگیا ہے، یہ امام مسلم وغیرہ کا ایک عام طریقہ ہے کہ کسی باب میں پہلے وہ اس قسم کی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کو وہ منسوخ خیال کرتے ہیں، اس کے بعد آخر میں ان کی ناسخ روایتیں

کو ذکر کرتے ہیں۔ (ج ۴ ص ۴۲ تا ۴۳)

تفسیر الحدیث بالحدیث

جس طرح قرآن مجید کی تفسیر کا سب سے عمدہ اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ کسی ایک مقام کی آیۃ کی وضاحت اور اس کی مشکلات کو حل کرنے کے لئے دوسرے مقام کی اسی قسم کے آیۃ پر غور وفکر کیا جائے کیونکہ جو بات ایک جگہ مبہم اور مجمل بیان کی گئی ہے دوسری جگہ تفصیل و وضاحت سے ذکر کی گئی ہے، اسی طرح ایک حدیث کی توضیح دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس بناء پر کسی حدیث کی تشریح کے لئے اس کے امثال ونظائر کی جانب رجوع کرنا شرحِ حدیث کا سب سے عمدہ اور بہتر طریقہ ہے، علامہ نووی نے اس اصول کے مطابق ایک حدیث کی تشریح اسی نوعیت کی دوسری حدیثوں سے کی ہے، اور ایسے مواقع پر انھوں نے خاص طور سے صحیح بخاری کے مرویات نقل کرکے صحیح مسلم کے مرویات کا مفہوم واضح اور متعین کیا ہے، مثلاً صحیح مسلم کی کتاب الایمان کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے کہ ایک بدوی نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کے متعلق دریافت کیا، آپ نے اس کو نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور حج اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کی، بدوی نے کہا:۔

واللہ لا ازید علی ھذا ولا انقص منہ — میں اس میں کوئی اضافہ کرونگا اور نہ کمی کرونگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

افلح ان صدق — اگر بدوی نے ٹھیک کہا ہے تو وہ کامیاب ہوگیا۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس حدیث میں تمام فرائض و واجبات اور

سنن ومندوبات کا ذکر نہیں ہے تو محض ان چند فرائض کو ادا کر لینے سے وہ کس طرح کامیاب اور صاحبِ فلاح ہو سکتا ہے؟ علامہ نووی نے اس اشکال کو اس طرح رفع کیا ہے کہ امام بخاری کی روایت کے اضافہ سے یہ شبہ زائل اور حدیث کا اصل مقصد متعین اور واضح ہو جاتا ہے، ان کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدوی کو اسلام کے عام شرائع سے آگاہ فرمایا تھا اور اس نے یہ کہا تھا کہ

واللہ لا ازید ولا انقص مما فرض اللہ تعالیٰ علی شیئاً — بخدا میں ان باتوں میں کوئی کمی بیشی نہ کرونگا جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فرض کی ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس کی فلاح وکامیابی کو تمام فرائض اور جملہ شرائع کی ادائیگی پر موقوف قرار دیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کے تمام فرائض و واجبات کو ادا کرنے والا ہو تو وہ یقیناً مفلح اور کامیاب ہوگا، رہے سنن ومندوبات تو ان کی بھی اہمیت ہے، اور ان کا مستقل ترک یقیناً مذموم ہے مگر نجات اور فلاح کا اصل دارومدار فرائض و واجبات کی ادائیگی ہی پر منحصر ہے۔[1]

حدیثوں کی شرح وتوضیح میں انھوں نے قرآن مجید کی آیتوں سے بھی مدد لی ہے اور کہیں کہیں یہ دکھایا ہے کہ فلاں حدیث فلاں آیت کے موافق ہے، جن حدیثوں میں قرآن مجید کی آیات کا ذکر ہے ان کی شرح وتفسیر بھی کی ہے اور اس سلسلہ میں مفسرین کے اقوال وآراء بھی بیان کئے ہیں، خصوصاً الفاظ ولغات حدیث کی تشریح میں اکثر قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔ اس کی مثالیں آگے آئیں گی یہاں ایک مثال اس لئے نقل کی جاتی ہے کہ اس میں قرأت وتلاوت قرآن کے متعلق ایک دلچسپ نکتہ کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی

[1] شرح مسلم ج ۱ ص ۱۶۷

شب میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہیں ہوئے تھے، اس کے ثبوت میں انھوں نے جو آیتیں پیش کی ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے [وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا الخ] حضرت عائشہ رضؓ نے یہ آیت اس طرح بیان کی ہے "او لم تسمع ان اللہ تعالیٰ یقول،

ما کان لبشر الخ	کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو (ما کان لبشر الخ)

صحیح مسلم کے اکثر نسخوں میں یہ آیت اسی طرح منقول ہے یعنی ما کان لبشر سے پہلے کے واؤ کا ان میں کوئی ذکر نہیں ہے، حالانکہ قرآن میں واؤ مذکور ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ روایت واستدلال کی صورت میں ایسا کر دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ استدلال کرنے والے کا مقصد بعینہ تلاوت کرنا نہیں ہوتا بلکہ وہ تو صرف دلالت کے مقام ومنشا کی وضاحت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس مقصد میں واؤ کے حذف سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، اس کی بیشمار نظیریں حدیثوں میں موجود ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے [فانزل اللہ تعالیٰ اقم الصلوٰۃ طرفی النہار] اور دوسری میں ہے [اقم الصلوٰۃ لذکری] یہ دونوں آیتیں صحیحین کی حدیثوں میں اسی طرح مذکور ہیں حالانکہ قرآن مجید میں واؤ بھی مذکور ہے، (ج ۲، ص ۹)

<u>جمع وتطبیق</u> پہلے اس خصوصیت کا ذکر آچکا ہے کہ امام نووی نے متعارض احادیث کے جمع وتطبیق کی جانب خاص توجہ کی ہے، اس سلسلہ میں وہ روایتوں کے الفاظ، ان کے متن اور مضمون کے فرق واختلاف اور مختلف روایتوں کی کمی بیشی وغیرہ کا ذکر کر کے ان کے تضاد وتعارض کو حل اور کہیں شارحین حدیث اور فقہا کے مختلف اقوال کے درمیان بھی جمع وتطبیق کی صورتیں بیان کرتے ہیں، روایتوں کے فرق واختلاف کو رفع کرنے میں تقدیم وتاخیر، منسوخ وناسخ اور خصوص وعموم

کی بیشی بھی آگئی ہیں، اس کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں،

قرارت علی الجن کے باب میں حضرت ابن عباس رضؓ سے یہ روایت ہے:۔

ما قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الجن وما رأھم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کے سامنے نہ قرأت کی اور نہ انکو دیکھا۔

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی یہ روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

فقال اتانی داعی الجن فذھبت معہ فقرأت علیھم القرآن	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کا قائد آیا اور میں نے اس کے ساتھ جا کر جنوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کی

علامہ نووی اس تضاد کو رفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"علما نے انھیں دو واقعے بتایا ہے، اس بنا پر ابن عباس رضؓ کی حدیث شروع زمانے اور ابتدائے نبوت کی ہوگی جسکا ذکر (قل اوحی الی انہ استمع الخ) میں ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کے سننے کا علم وحی سے ہوا تھا یا وحی کے بغیر ہی ہو گیا تھا اور ابن مسعود رضؓ کی حدیث میں ایک دوسرے واقعہ کا ذکر ہے جو اس کے بعد اور اسلام کی عام اشاعت ہو جانے کے بعد پیش آیا تھا"[1]

بدوی کی جس حدیث کا پہلے ذکر آچکا ہے، اس میں اور حدیث جبرئیل میں جو حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے، حج کا ذکر نہیں ہے، اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں بعض میں صوم کا اور بعض میں زکوٰۃ کا اور بعض میں ایمان کا تذکرہ نہیں ہے اور بعض میں صلۂ رحم اور بعض میں خمس کا ذکر ہے، اس طرح ان حدیثوں

[1] شرح مسلم ج ۲ ص ۱۰۷،

میں خصائل ایمان کی تعداد میں فرق ہے، امام نوویؒ نے قاضی عیاض وغیرہ کے حوالہ سے
اس کا یہ جواب لکھا ہے،

"یہ اختلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں نہیں ہے بلکہ راویوں
کے حفظ وضبط میں تفاوت کا نتیجہ ہے" اس لئے بعض لوگوں کے بیان میں کمی ہے، انھوں
نے صرف اسی قدر بیان کیا جس قدر ان کو یاد تھا، مگر انھوں نے اس اضافہ کی کوئی
تائید یا تردید نہیں کی جو دوسرے لوگوں کے بیان میں ہے، گو بظاہر ان کے اختصار
سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت اسی قدر ہے مگر دوسرے ثقہ لوگوں کی روایتوں سے
پتہ چلتا ہے کہ اسی قدر نہیں ہے بلکہ راویوں کے قصور حفظ کی وجہ سے وہ کم اور مختصر
ہو گئی ہے،، (ج ۱ ص ۱۶۸)

اختلاف وتعارض رفع کرنے کے لئے وہ عموم وخصوص وغیرہ کا بھی ذکر کرتے
ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ (تاکل النار من ابن آدم الا اثر السجود، حرم اللہ
علی النار ان تاکل اثر السجود) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کے ساتوں اعضا
کو آگ نہیں جلا سکے گی، یہی بعض علماء کا خیال ہے مگر قاضی عیاض کہتے ہیں کہ اس
سے ساتوں اعضا کے بجائے صرف پیشانی مراد ہے لیکن پہلا قول مختار ہے، اگر اس
پر یہ اعتراض کیا جائے کہ امام مسلم نے اس کے بعد ہی مرفوعاً یہ روایت بھی بیان کی ہے
کہ جہنم سے ایک ایسی جماعت نکالی جائے گی جس کا تمام جسم پیشانی کے سوا جل بھن
گیا ہوگا تو یہ جواب دیا جائیگا کہ جہنم سے نکلنے والے لوگوں میں یہ کوئی مخصوص جماعت
ہے جن کی صرف پیشانیاں ہی جلنے سے محفوظ رہیں گی مگر ان کے علاوہ دوسرے لوگوں
کے تمام اعضائے سجود سلامت رہیں گے جیسا کہ اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے،

اس لئے یہ حدیث عام ہے اور وہ خاص، اس بنا پر عام پر عمل کیا جائیگا بشرطیکہ
اس کو کوئی چیز خاص نکردے (ص ۲۲ جلد ۳)

اسی طرح باب الوضوء من لحوم الابل میں لکھتے ہیں:۔

"اکثر لوگوں کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا، خلفائے
راشدین، ابن مسعودؓ، ابن عباس، ابی ابن کعب، ابو درداء، ابو طلحہ، عامر بن ربیعہ،
ابو امامہ رضی اللہ عنہم اور جمہور تابعین وائمہ ثلاثہ اسی کے قائل ہیں، مگر امام احمد،
اسحٰق بن راہویہ، یحیی بن یحیی، ابو بکر بن منذر اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ کے نزدیک ناقض وضو
ہے، حافظ ابو بکر بیہقیؒ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے اور محدثین اور صحابہ کی ایک
جماعت کا یہی مسلک بتایا ہے، ان لوگوں کا استدلال مندرجہ ذیل حدیث سے
ہے (فھم فتوضا من لحوم الابل) اسی طرح براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے وضو کرنے کا حکم دیا، امام احمدؒ
اور اسحٰق بن راہویہؒ فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صحیح
حدیثیں وارد ہیں، ایک جابرؓ کی حدیث، دوسری براءؓ کی، اس لئے یہ مذہب دلیل
کے لحاظ سے زیادہ قوی ہے مگر جمہور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری
معمول یہ تھا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن ظاہر ہے یہ حدیث
عام ہے اور وہ حدیث خاص ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے واللہ اعلم،،
(جلد ۴، ۴۸، ۴۹)

احکام وآداب کا استنباط

نووی نے بعض حدیثوں سے نہایت دلچسپ حقائق و
نکات اور مختلف النوع آداب واحکام مستنبط کئے ہیں، اس کی بعض مثالیں یہ ہیں:۔

مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے متعلق حدیث کے تحت لکھتے ہیں لہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح بیان ہوئی ہے،

عن ابی هريرة قال لما توفی رسول الله صلی الله عليه وسلم واستخلف ابوبکر بعده وکفر من کفر من العرب قال عمر بن الخطاب لابی بکر کيف تقاتل الناس وقد قال رسول الله صلی الله عليه وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی يقولوا لا اله الا الله فمن قال لا اله الا الله فقد عصم منی ماله ونفسه الا بحقه وحسابه علی الله فقال ابوبکر والله لاقاتلن من فرق بين الصلوٰة والزکوٰة فان الزکوٰة حق المال والله لو منعونی عقالا کانوا يؤدونه الی رسول الله صلی الله عليه وسلم لقاتلتهم علی منعه فقال عمر بن الخطاب فوالله ما هو الا ان رأيت الله عز وجل قد شرح صدر ابی بکر للقتال فعرفت انه الحق۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا اور آپکے بعد حضرت ابوبکرؓ آپکے جانشین مقرر ہوئے اور عربوں میں سے کچھ لوگ کافر ہوگئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ آپ کسطرح لوگوں سے قتال کریں گے درآنحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اسوقت تک جنگ کروں جبتک کہ وہ اس بات کی گواہی نہ دینے لگیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، سو جس نے یہ کہدیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس نے مجھسے اپنے مال اور جان کو محفوظ کر لیا، علاوہ اسلام کے حق لہ کے اور انکا حساب اللہ کے ذمہ ہوگا، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جنگ کرونگا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان تفریق کریں گے کیونکہ زکوٰۃ (آدمی کے) مال میں خدا کا حق ہے، خدا کی قسم

لہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو،

اگر ان لوگوں نے مجھکو اونٹ باندھنے کی ایک رسی بھی جسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (زکوٰۃ میں) دیتے تھے ادا کرنے سے انکار کیا تو میں اس کے روکنے پر ان سے جہاد کرونگا، حضرت عمرؓ نے کہا قسم ہے خدا کی میرے خیال میں یہ اس لئے تھا کہ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کا سینہ جہاد کے لئے کھول دیا تھا چنانچہ میں نے سمجھا کہ یہی حق ہے۔

۱۔ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی شجاعت و دلیری اور لوگوں پر ان کے علم و فضل کی برتری ظاہر ہوتی ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک نہایت سخت مرحلہ و مقام پر جنگ کے لئے ثابت قدم رہے۔ اور ان کے ذہن رسا، دقتِ نظر اور اصابتِ فکر نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا تھا جو ابتداً کسی اور کو نہیں معلوم ہو سکی تھی، یہ اور اس طرح کی اور بھی متعدد وجہیں ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام اہل حق پر کرامت اور ساری امت پر فضیلت عطا کی تھی،

۲۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ و اکابر سے مراجعت اور اظہار حق کے لئے ان سے مناظرہ کرنا جائز ہے۔

(حاشیہ ص ۲۴) لہ بعض حدیثوں میں بحق الاسلام ہے یعنی اسلام نے جرائم کی جو سزا مقرر کی ہے وہ ان پر عائد کیجائیگی اگر انھوں نے انکا ارتکاب کیا اور حسابہم علی اللہ کا مفہوم یہ ہو کہ اقرار شہادت کے بعد اگر یہ لوگ ڈھکے چھپے کچھ کریں گے تو اس کے لئے خدا کے یہاں جوابدہ ہوں گے مجھپر اسکی کوئی ذمہ داری نہ ہوگی،

۳۔ ایمان کی شرط اقرار شہادتین کے ساتھ ان پر اور ان تمام باتوں پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اعتقاد رکھنا بھی ہے، جیسا کہ آپ کے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے [امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ ویومنوا بی وبما جئت بہ]

۴۔ اس سے جہاد کا وجوب اور کلمۂ توحید کو ماننے والوں کی جان و مال کی عصمت و حفاظت کا لازمی ہونا ثابت ہوتا ہے، خواہ اس کے لئے تلوار ہی کیوں نہ اٹھانی پڑ جائے

۵۔ احکام و قوانین کا اجرا ظاہر کے مطابق ہوتا ہے، باطن کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہی،

۶۔ اس سے قیاس اور اس کے مطابق عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

۷۔ اس میں نماز و زکوٰۃ اور دوسرے اسلامی ارکان و فرائض کے مانعین سے قتال کا ذکر ہے،

۸۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عموم کو اختیار کرنا جائز ہے،

۹۔ باغیوں سے قتال کا وجوب ثابت ہوتا ہے،

۱۰۔ بکریوں کی طرح ان کے بچوں کی زکوٰۃ کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے،

۱۱۔ اس میں پیش آمدہ امور و مسائل میں ائمہ کے اجتہاد اور اہل علم سے ان کے بارے میں بحث و مناظرہ کرنے کا ذکر ہے،

۱۲۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق کے واضح ہونے کے بعد اس کو اختیار کر لینا اور اہل حق کے ساتھ ہو جانا چاہئے،

۱۳۔ فروع میں اختلاف کرنے والے مجتہدین کو ایک دوسرے کو خاطی نہیں قرار دینا چاہئے۔

۱۴۔ اگر ارباب حل و عقد اور اصحاب الرائے میں سے ایک شخص بھی کسی مسئلہ

میں اختلاف کرے تو اس کے بارہ میں اجماع واقع نہ ہوگا، یہی صحیح اور مشہور قول ہے، لیکن بعض علمائے اصول کا اس میں اختلاف ہے،

۱۵۔ زندیق کی توبہ کی مقبولیت کا ذکر ہے، (ج ۱ ص ۲۱۱ تا ۲۱۳)

وفد عبد القیس کے متعلق امام مسلم نے مختلف سندوں سے کئی روایتیں نقل کر کے ان سب کے مجموعہ سے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، پہلے اس سلسلہ کی ایک روایت ملاحظہ ہو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں:۔

ان وفد عبد القیس اتوا	قبیلہ عبد القیس کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال	وسلم کے پاس آئے، آپ نے ان سے کہا کہ تم کس
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوفد	جماعت سے ہو (یا یہ پوچھا کہ) تم کس قوم کے
او من القوم قالوا ربیعۃ قال مرحبا	ہو، ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ قبیلہ
بالقوم او بالوفد غیر خزایا ولا	ربیعہ کے ہیں، آپ نے ان لوگوں کو خوش آمدید
الندامی قال فقالوا یا رسول اللہ	کہا، اور ان لوگوں نے کہا اے اللہ کے رسول
انا نأتیک من شقۃ بعیدۃ وان	ہم لوگ آپ کی خدمت میں دور دراز کی
بیننا و بینک ھذا الحی من کفار	مسافت طے کر کے آئے ہیں ہمارے اور آپکے
مضر وانا لا نستطیع ان نأتیک	درمیان کفار مضر کا قبیلہ رہتا ہے (اس بنا پر)
الا فی شھر الحرام فمرنا بامر	ہم لوگ آپکے پاس صرف ان ہی مہینوں میں
فصل نخبر بہ من وراءنا ندخل	آسکتے ہیں جن میں قتال ممنوع ہے، لہذا آپ
بہ الجنۃ قال فامرھم باربع و	ہمکو کوئی ایسی دو ٹوک بات بتا دیں جس سے
نھاھم عن اربع قال امرھم بالایمان	ہم ان لوگوں کو آگاہ کر دیں جو ہمارے پیچھے

بالله وحده وقال هل تدرون الایمان
بالله قالوا الله ورسوله اعلم قال شهادة
ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله
واقام الصلوٰة وایتاء الزکوٰة وصوم
رمضان وان تؤدوا خمسا من المغنم
ونهاهم عن الدباء والحنتم والمزفت
وقال شعبة وربما قال النقير وربما
قال المقير وقال احفظوه واخبروا
به من ورائکم ......

رہ گئے ہیں (اور آپکے پاس نہیں آسکتے ہیں)
توہم لوگ (اس پر عمل کرکے، جنت میں داخل
ہوجائیں، (ابن عباسؓ نے، کہا کہ پس رسول
اللہؐ نے ان لوگوں کو چار چیزوں کا حکم دیا
اور چار سے منع کیا وہ کہتے ہیں کہ آپنے ان کو
خدائے واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا اور پوچھا
کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ اللہ پر ایمان لانا
کیا ہے؟ ان لوگوں نے فرمایا کہ اللہ اور اسکے
رسول زیادہ جانتے ہیں، آپنے فرمایا کہ اس
بات کی گواہی دینا کہ سوا خدا کے کوئی معبود
نہیں اور یہ کہ محمدؐ خدا کے رسول ہیں، اور
آپنے ان لوگوں کو نماز قائم کرنے، زکوٰۃ
دینے اور رمضان کے روزے رکھنے اور
مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کرنے کا حکم
دیا اور (چار برتنوں) دباء، حنتم، مزفت اور
نقیر یا مقیر (میں پانی پینے) سے منع کیا اور فرمایا
کہ اس کو یاد کرلو اور اس سے ان لوگوں
کو واقف کر دو جو تمہارے پیچھے رہ گئے ہیں،

۱۔ اس سے اہم امور و مسائل کو دریافت کرنے کے لئے اشراف و رؤساء کا وفد کی

صورت میں ائمہ کے پاس آنا ثابت ہوتا ہے۔

۲۔ اصل مسئلہ کا حل دریافت کرنے سے پہلے تمہید یا معذرت پیش کی جاسکتی ہے،

۳۔ ان روایتوں میں حج کے علاوہ جو اس وقت تک فرض نہیں ہوا تھا تمام اہم اور بنیادی ارکان اسلام کا ذکر ہے،

۴۔ حاضرین کو سمجھانے کے لئے یا ان کی بات سمجھنے کے لئے عالم اپنے رفقاء سے مدد طلب کرسکتا ہے جیسے حضرت ابن عباسؓ نے کیا تھا

۵۔ فتوی اور خبر میں ایک شخص کا قول بھی معتبر اور کافی ہے،

۶۔ آنے والے کا خیر مقدم کرنا اور اس کو مرحبا کہنا مستحب ہے،

۷۔ اس سے آدمی کے منھ پر اس کی تعریف کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے غرور اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو، رہی وہ ممانعت جو منھ پر تعریف کرنے کے متعلق وارد ہے تو یہ صرف ان ہی لوگوں کے متعلق ہے جن کے بارہ میں فتنہ کا اندیشہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی متعدد بار لوگوں کے منھ پر ان کی تعریف کی ہے،

۸۔ اگر طالب علم اور مستفتی جواب کی وضاحت کرانا چاہے تو اس پر کوئی عتاب یا نکیر نہیں کرنا چاہئے،

۹۔ مہینہ کا ذکر کئے بغیر صرف رمضان کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے،

۱۰۔ عالم سے رشد و ہدایت کے لئے رجوع کرنا جائز ہے،

۱۱۔ اس میں کلام کو بلیغ اور مؤثر بنانے کی تاکید کا ذکر بھی ہے، کیونکہ اس کے بغیر وہ پوری طرح دل پر اثر انداز نہیں ہوتا،

۱۲۔ کسی مسلمان سے جعلنی اللہ فداک کہنا جائز ہے، (جلد اص ۱۹۵، ۱۹۶)

مولفۃ القلوب سے متعلق حدیث کے سلسلہ میں لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح مسلم میں اس طرح
مروی ہے، حضرت عامر بن سعدؓ اپنے والد حضرت سعد بن وقاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اعطی رھطا و سعد جالس فیھم قال
سعد فترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم منھم من لم یعطہ وھو
اعجبھم الی فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مالک عن فلان فواللہ انی لاراہ
مومنا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم او مسلما، قال فسکت قلیلا
ثم غلبنی ما اعلم منہ فقلت یا رسول اللہ
مالک عن فلان فواللہ انی لاراہ مومنا
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
او مسلما قال فسکت قلیلا ثم غلبنی ما
علمت منہ فقلت یا رسول اللہ مالک
عن فلان فواللہ انی لاراہ مومنا فقال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مسلما
انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی
منہ خشیۃ ان یکب فی النار علی وجہہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو
مال دیا اور سعدؓ (بھی وہاں) بیٹھے ہوئے تھے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں میں
ایک ایسے شخص کو چھوڑ دیا اور اسے کچھ نہیں دیا
جو مجھکو سب سے اچھا معلوم ہوتا تھا تو میں نے عرض
کیا کہ یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ آپنے فلاں
شخص کو چھوڑ دیا، خدا کی قسم میں اسے مومن سمجھتا
ہوں، آپنے فرمایا کہ (مومن سمجھتے ہو) یا مسلم!
تو میں نے تھوڑی دیر سکوت کیا پھر اس شخص کے
بارہ میں جو کچھ مجھکو معلوم تھا اس نے مجبور کیا
کہ میں دوبارہ دریافت کروں چنانچہ میں نے
کہا اے اللہ کے رسول آپنے فلاں شخص کو کیوں
نظر انداز فرمایا، بخدا میں اسے مومن خیال کرتا
ہوں، آپنے ارشاد فرمایا یا مسلم خیال کرتے ہو
(حضرت سعدؓ کہتے ہیں کہ) میں کچھ دیر خاموش
رہا مگر پھر اس کے متعلق اپنی واقفیت کی وجہ
سے ضبط نہ کر سکا اور میں نے کہا کہ اے اللہ کے

رسول کیوں آپنے فلاں آدمی کو نظر انداز فرمایا،
حالانکہ خدا کی قسم میں اس کو مومن سمجھتا ہوں،
آپ نے فرمایا، یا مسلم، میں ایک شخص کو اس
خوف سے دیتا ہوں کہ اگر اسکو نہ دیا گیا تو کافر
ہو جائیگا اور وہ جہنم میں سرنگوں کر دیا جائیگا
حالانکہ دوسرا شخص (جسکو نہیں دیتا) مجھکو زیادہ محبوب ہوتا ہے اور اسکے کفر میں مبتلا ہونے اور جہنم میں ڈالے
جانے کا مجھ کو اندیشہ نہیں ہوتا،

۱۔ اس سے ایمان و اسلام میں فرق ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہل حق کا یہ مذہب صحیح ہے کہ اقرار باللسان کیساتھ اعتقاد بالقلب بھی ضروری ہے ورنہ محض اقرار باللسان کافی اور مفید نہیں ہے جو کرامیہ اور غالی مرجیہ کا مسلک ہے،

۳۔ جو امور حرام نہیں ہیں انکے بارہ میں حکام و امراء سے سفارش کی جا سکتی ہے،

۴۔ ایک ہی مسئلہ میں مسئول سے سوال میں مراجعت و تکرار کرنا روا ہے،

۵۔ بر بنائے مصلحت مفضول فاضل کو کسی مناسب بات پر متنبہ کر سکتا ہے۔

۶۔ فاضل کسی مشورہ کو مطلقاً قبول کرنے کا پابند نہیں ہے بلکہ وہ اس میں غور و فکر سے کام لے گا اور مصلحت و حکمت کے ظاہر و واضح نہ ہونے کی صورت میں اس پر عمل نہیں کریگا۔

۷۔ اس میں تثبت کا ذکر ہے اور اسکا بھی کہ جن چیزوں کا قطعی ہونا معلوم نہ ہو انکے بارہ میں کوئی قطعی حکم نہیں لگانا چاہئے،

۸۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام مال کو اہم فالاہم کے اصول پر مسلمانوں کے مصالح میں صرف کر سکتا ہے۔

۹۔ کسی شخص کے متعلق قطعی انداز میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جنتی ہے سوا ان لوگوں کے جنکے بارہ میں نص وارد ہے، جیسے عشرہ مبشرہ، انکے جنتی ہونے پر اہلسنت کا اتفاق ہے (جلد ۲ ص ۱۸۱)، (باقی)

شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی

از جناب مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری اڈیٹر البلاغ بمبئی

شیراز ہند پورب میں ہزاروں علماء و فضلاء اور مشائخ پیدا ہوئے جن کے دم قدم سے یہاں کے شہر و قصبات مدرسوں اور خانقاہوں سے معمور تھے، اور یہ خطہ بغداد اور قرطبہ کی ہمسری کر رہا تھا،

سلاطین شرقیہ جونپور کے دور سے مغل دور سلطنت تک کی پوری مدت پورب میں علمی بہار کا دور تھا، خصوصاً سلطان ابراہیم شاہ شرقی، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں یہاں علم و علماء کی بڑی چہل پہل تھی، عالمگیر نے اپنی شاہزادگی اور سلطنت کے ایام میں جونپور کے علماء و فضلاء پر خاص نظر رکھی اور اس پورے علاقہ کو اس کی توجہ نے علم کا باغ ارم بنا رکھا تھا، مولوی خیرالدین محمد جونپوری نے اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

"اورنگ زیب بادشاہ عالم باعمل اور عامل باعلم تھے، انھوں نے علماء کی زیادہ سے زیادہ قدردانی کی، اور زمانہ شاہزادگی سے ان کا خاص خیال رکھا، شاہان شرقیہ کے دور کی طرح علماء و مشائخ کی کثرت اور طالبان علم و فیض کی زیادتی کے باعث جونپور میں علمی و دینی رونق پیدا ہو گئی، اور جب عالمگیر تخت سلطنت پر بیٹھے تو اس شہر کے

مدرسین و مشائخ کے حالات کی تحقیق کے لئے ناظم جونپور کو حکمنامہ روانہ کیا، اور تہدیدی تاکید کی کہ اس جماعت کے احوال سے فوراً مطلع کیا جائے، اس طرح شہنشاہ عالمگیر کے دور میں یہ خطہ گلزار ارم کا نمونہ بن گیا، اطراف و جوانب کے تمام شہر و قصبات کے قدیم مدرسوں کی تاسیسِ نو ہوئی، اور بہت سی نئی خانقاہیں تعمیر کی گئیں، خاص شہر جونپور کے محلہ محلہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہوا، اور جگہ جگہ مدرسے قائم ہوئے، مفتی محلہ میں میر ابوالبقاء، سید مبارک، ملا حفیظ اور محلہ شاہ مدار میں مولانا امیرالدین، اور محلہ دریبہ میں میر عبدالباری اور محلہ سپاہ میں ملا محمود کے فرزند درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، نیز جونپور کے ہر محلہ میں مدرسہ موجود تھا، جہاں مدرسین طالب علموں کو تعلیم دیتے اور ہر کوچہ میں خانقاہ تھی جہاں درویش طالبان فیض کی رہبری کرتے تھے،[1]

اسی طرح عہد عالمگیری میں دیار پورب میں سیکڑوں علماء و مشائخ اپنے اپنے حلقہ میں کام کر رہے تھے، چنانچہ اس عہد کے مدرسین میں حافظ امان اللہ بنارسی سنہ ۱۱۳۳ھ، قاضی محب اللہ بہاری سنہ ۱۱۱۹ھ ملا قطب الدین شمس آبادی سنہ ۱۱۲۱ھ، ملا جیون امیٹھوی (احمد بن ابو سعید) سنہ ۱۱۳۰ھ، سید سعد اللہ سلونی سنہ ۱۱۳۸ھ قاضی عصمت اللہ لکھنوی سنہ ۱۱۱۳ھ شیخ غلام محمد لکھنوی سنہ ۱۱۳۶ھ اور شیخ غلام نقشبند گھوسوی لکھنوی سنہ ۱۱۲۶ھ وغیرہ ہمعصر علماء تھے، جن کی تعلیمی و تدریسی سرگرمی سے پورا دیار مشرق دارالعلم بنا ہوا تھا، ان میں حضرت شیخ غلام نقشبند گھوسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے

---

[1] تذکرۃ العلماء ص ۵۱،

تدریسی و تعلیمی کارناموں کی وجہ سے ممتاز شخصیت کے مالک ہیں، وہ موجودہ ضلع اعظم گڈھ کے مشرقی علاقہ میں قصبہ گھوسی کے رہنے والے تھے۔ ان کے ہم وطن اور ہمعصر علماء میں شیخ اسمٰعیل بن مولانا ابوالخیر بھیروی ۱۱۰۶ھ، شیخ عبدالطیف ہٹن پوری (نظام آبادی) میر قیام الدین سگڑہی ۱۱۳۵ھ، شیخ مرتضیٰ چریاکوٹی ۱۱۰۹ھ، شیخ محمد شاہ بھیروی ۱۱۱۴ھ مشاہیر وقت تھے اور یہ تمام اکابر پندرہ بیس میل کے حلقہ میں اپنے مدرسوں اور خانقاہوں سے علم و معرفت کی دولت تقسیم کرتے تھے۔ البتہ شیخ غلام نقشبند نے گھوسی سے لکھنؤ جاکر اپنا فیض جاری کیا، شیخ صاحب اپنے تدریسی و تعلیمی فیوض و برکات کی وجہ سے اپنے معاصرین میں خاص مقام و مرتبہ کے مالک ہیں اور ان کے تلامذہ خصوصاً ملا نظام الدین کے ذریعہ آج بھی پورے ہندوستان میں ان کا تعلیمی و تدریسی فیض جاری ہے، اس وقت دیار پورب کے اسی شیخ الکل فی الکل کا تذکرہ مقصود ہے،

ان کے تذکرہ کا اصل ماخذ میر غلام علی آزاد بلگرامی کی دو کتابیں مآثر الکرام اور سبحۃ المرجان ہیں، ان کے نانا اور استاد میر عبدالجلیل بلگرامی شیخ غلام نقشبند کے مخصوص تلامذہ میں تھے، اور میر غلام علی آزاد نے شیخ غلام نقشبند کی وفات کے بائیس سال بعد ملا نظام الدین سے ۱۱۴۸ھ میں لکھنؤ میں ملاقات کی تھی جو شیخ غلام نقشبند کے تلمیذ رشید تھے اور شیخ صاحب کی وفات چون ۵۴ سال گذرنے کے بعد ۱۱۸۰ھ میں مآثر الکرام لکھی، اس لئے انھوں نے شیخ صاحب کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ پوری واقفیت سے لکھا ہے اور گویا اپنے گھر کی باتیں لکھی ہیں، انھوں نے دونوں کتابوں میں شیخ صاحب کا مستقل تذکرہ کیا، اور مآثر الکرام میں میر عبدالجلیل کے تذکرہ کے ضمن میں ان کے بعض اہم واقعات درج کئے ہیں، بحر زخار میں بھی شیخ صاحب کے

حالات ہیں، مگر وہ گویا ناپید ہیں، البتہ اس کی بعض باتیں نزہۃ الخواطر میں آگئی ہیں، تذکرہ علمائے ہند اور نزہۃ الخواطر میں بھی ان کا تذکرہ موجود ہے، بہر حال شیخ صاحب کے بارے میں فی الحال جو کچھ مل سکا ہے مرتب شکل میں پیش کیا جا رہا ہے،

نام ونسب اور خاندانی حالات

حضرت مولانا شیخ غلام نقشبند بن مولانا شیخ عطاء اللہ ابن شیخ قاضی حبیب اللہ بن شیخ احمد بن شیخ ضیاء الدین بن شیخ یحیٰ بن شیخ شرف الدین ابن شیخ نصیر الدین بن مفتی حسین عثمانی اصفہانی گھوسوی جونپوری لکھنوی رحمہم اللہ کا سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، حضرت ابان بن عثمان یا حضرت عمر بن عثمان کی نسل سے ہیں، اصفہانی کی نسبت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کے آباء و اجداد عرب سے اصفہان آئے پھر وہاں سے کوئی بزرگ ہندوستان آکر دیار جونپور میں آباد ہوئے، یہ کون صاحب تھے اور کب یہاں آئے، اس کے بارے میں تذکرہ نویس خاموش ہیں، البتہ اتنا معلوم ہے کہ شیخ صاحب کے دادا قاضی حبیب اللہ سب سے پہلے گھوسی کے قاضی مقرر ہوئے اور یہیں وہ بس گئے، آزاد بلگرامی نے اس سلسلہ میں صرف اتنا لکھا ہے،

آباء کرام آن جناب از قصبہ گھوسی تابع جونپور و از عظماء آن مکان اند ۔[1]

شیخ غلام نقشبند کے آباء علاقہ جونپور میں قصبہ گھوسی کے تھے، اور وہاں کے معزز لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے،

شیخ کے دادا قاضی حبیب اللہ

شیخ صاحب کے آباء و اجداد صاحب علم و فضل تھے، ان کے ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں تھے، ان میں مفتی حسین

[1] مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۱۳،

صاحب درس وافتار تھے، شیخ صاحب کے خاندان میں ان کے دادا قاضی حبیب اللہ سب سے پہلے گھوسی کے قاضی بنائے گئے، غالباً ہمایوں (سنہ ۹۳۷ھ تا سنہ ۹۶۳ھ) کے دور سلطنت میں ان کو یہ منصب دیا گیا تھا، وہ عالم فقیہہ اصولی اور ادیب تھے، اور ان علوم میں مہارت وشہرت رکھتے تھے، حضرت میر علی عاشقاں سرائمیری متوفی سنہ ۹۵۰ھ سے بیعت وارادت رکھتے تھے، گھوسی میں عہدۂ قضا پر مامور ہوکر وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی،

والد شیخ عطاء اللہ

شیخ صاحب کے والد مولانا شیخ عطاء اللہ گھوسی میں پیدا ہوئے، اور وہیں پروان چڑھے، اپنے زمانہ کے مشہور عالم ملا محمود بھیروی جونپوری متوفی سنہ ۱۰۶۲ھ اور دیگر اساتذۂ عصر سے تعلیم حاصل کی، اور اپنے والد کے مرشد میر علی عاشقاں سرائمیری کے مرید وخلیفہ شیخ عبدالقدوس شطاری نظام آبادی متوفی سنہ ۱۰۵۲ھ کے مرید ہوئے، انتصاح عن ذکر اہل الصلاح میں ہے،

از خلفائے شاہ عبدالقدوس جونپوری علن پورہ مدفن سنہ ۱۰۵۲ھ یکے دیوان عبدالرشید جونپوری و دیگر قدوۃ العلماء وعمدۃ العرفا شیخ عطاء اللہ والد مولوی غلام نقشبند سجادہ نشین شیخ حسام الدین مانک پوری اند۔[1]

شاہ عبدالقدوس جونپوری سنہ ۱۰۵۲ھ کے خلفاء میں سے ایک دیوان عبدالرشید جونپوری اور دوسرے قدوۃ العلماء عمدۃ العرفا شیخ عطاء اللہ جو مولوی غلام نقشبند کے والد ہیں، وہ شیخ حسام الدین مانک پوری کے سجادہ نشین بھی تھے،

شیخ عطاء اللہ علم ومعرفت میں قدوۃ العلماء اور عمدۃ العرفاء تھے، اور اپنے

۱؎ انتصاح ص ۱۶،

والد کی طرح فقہ، اصول فقہ، علم کلام اور ادب وعربیت وغیرہ میں مہارت وشہرت رکھتے تھے، تقوی اور دینداری میں ممتاز تھے، روحانی کشش نے آخر میں حضرت شیخ پیر محمد جونپوری لکھنوی متوفی سنہ ۱۰۸۵ھ کی خدمت میں لکھنو پہونچا دیا اور وہیں کے ہو رہے، گھوسی سے ترک وطن کرکے لکھنؤ میں آباد ہوگئے اور وہیں ۵ ربیع الثانی سنہ ۱۰۶۳ھ کو انتقال کیا،[1] ان کے تلامذہ میں میر محمد شفیع دہلوی متوفی سنہ ۱۱۰۹ھ مشہور علماء میں تھے، جنھوں نے شیخ غلام نقشبند کی خاک کو اکسیر بنانے میں اہم کردار ادا فرمایا تھا، انکا مفصل حال آگے آتا ہے،

پیدائش اور نشوونما

شیخ غلام نقشبند اپنے والد کے قیام لکھنؤ سے پہلے ہی گھوسی میں ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۱۰۵۱ھ میں پیدا ہوئے، نزہۃ الخواطر میں ہے،

ولد لاحدی عشرۃ بقین من ذی الحجۃ سنۃ احدی وخمسین والف بقریۃ گھوسی۔[2]

وہ ۱۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰۵۱ھ میں گھوسی میں پیدا ہوئے،

بقول آزاد بلگرامی باپ نے باشارۂ روحانیت اپنے بیٹے کا نام غلام نقشبند رکھا، بچپن کا زمانہ گھوسی میں گذرا اور گھر کے دینی وعلمی اور روحانی ماحول میں پرورش پائی، گیارہ بارہ سال کے ہوئے تو سر سے والد کا سایۂ عاطفت اٹھ گیا اور وہ اپنے والد کے تلمیذ رشید میر محمد شفیع کے ظل تعلیم وتربیت میں چلے گئے،

زمانۂ طالب علمی میں منامی بشارت

شیخ غلام نقشبند کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ طالب علمی کی ابتداء میں ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا

۱؎ نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۵ و ۲۷۴، ۲؎ ایضاً ج ۶ ص ۲۱۳،

کہ آپ اپنے دستِ مبارک سے میرے سینہ کا بٹن کھول رہے ہیں، اور خواب ہی
میں اس خواب کی تعبیر یوں سمجھ میں آئی کہ آپ شرحِ صدر فرما کر مجھ پر علم کا دروازہ
کھول رہے ہیں[1]،

شیخ صاحب اپنے والد کی وفات ۱۰۶۳ھ کے بعد میر محمد شفیع کی خدمت میں
رہ کر ابتداء سے انتہا تک پوری تعلیم و تربیت حاصل کی، اور اٹھارہ[18] سال کی عمر
میں جملہ علوم و فنون مروجہ کی تحصیل سے فراغت پائی، اس کے بعد بطور یمن و برکت
کے اپنے والد کے مرشد شیخ پیر محمد جونپوری لکھنوی سے تھوڑا سا پڑھ کر ان ہی سے سند
فراغت لی، اس وقت شیخ صاحب کی عمر اکیس[21] سال کی تھی، آزاد بلگرامی نے لکھا ہے[2]

آنجناب از ابتدا تا انتہا در ظلِ
تربیت میر محمد شفیع قدس سرہ کہ برخے
نزد شیخ عطاء اللہ والد شیخ غلام نقشبند
تلمذ کردہ بود جا گرفت، وبہمت بر احراز
فضائل صرف کرد و در سن ہژدہ سالگی
منتہی الجموع فنون کمال گردید، و در
سن بست و یک سالگی تیمناً قدرے
نزد یک شیخ الشیخ خود شیخ پیر محمد قدس
سرہ خواندہ رسم فاتحہ بجا آورد[3]

شیخ صاحب نے اپنے والد کے شاگرد میر
محمد شفیع قدس سرہٗ کے سایۂ تعلیم و تربیت
میں شروع سے آخر تک رہ کر کمالات و
فضائل کی تحصیل میں کوشش کی، اور اٹھارہ
سال کی عمر میں جملہ علوم و فنون میں کمال
حاصل کیا اور اکیس[21] سال کی عمر میں بطور
برکت کے اپنے شیخ الشیخ حضرت پیر محمد
قدس سرہٗ سے فاتحۃ الفراغ پڑھی۔

سبحۃ المرجان میں بھی اختصار کے ساتھ یہی درج ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ شیخ

[1] مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۱۳، [2] ایضاً ص ۲۱۳ [3] سبحۃ المرجان ص ۷۸،

صاحب ۱۰۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کی تعلیم و تربیت میں گیارہ بارہ سال
تک رہے، پھر ۱۰۶۳ھ میں والد کے انتقال کے بعد چھ سات سال تک میر محمد شفیع کی
خدمت میں رہ کر پوری تعلیم حاصل کی اور اٹھارہ[18] سال کی عمر میں فراغت پائی، اس کے
بعد شیخ پیر محمد سے شرف تلمذ حاصل کر کے اکیس[21] سال کی عمر میں ۱۰۷۲ھ میں باقاعدہ سند
فراغت حاصل کی، یعنی ان کے والد کے علاوہ ان کے دو اور استاد ہیں، نزہۃ الخواطر
کی تصریح کے مطابق شیخ صاحب نے شیخ پیر محمد سے قدوری، شرح چغمینی اور تفسیر بیضاوی کا
ایک حصہ پڑھا[1]،

شیخ پیر محمد جونپوری لکھنوی

حضرت شیخ پیر محمد بن اولیاء، ۲۶ رمضان ۱۰۲۷ھ میں جونپور
کے ایک دیہات منڈیاہو میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا انتقال ہو گیا، چچا نے پرورش
کی، مانک پور جا کر وہاں کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، وہیں شیخ عبد اللہ سیاح دکنی سے
ملاقات ہوئی، ان سے طریقت و روحانیت کی تربیت حاصل کر کے ان کے حلقۂ ارادت
میں داخل ہو گئے، وہاں سے لکھنؤ آ کر قاضی عبد القادر لکھنوی متوفی ۱۰۷۰ھ سے بقیہ کتب
درسیہ پڑھیں، اس کے بعد دوبارہ شیخ عبد اللہ سیاح کی خدمت میں رہ کر طریقۂ چشتیہ
میں مرتبۂ کمال کو پہونچے، شیخ عبد اللہ سیاح نے ان کو تاکید کی کہ پہلے علمی و تعلیمی اشغال
میں کوشش کریں، پھر طریقت کے معاملات میں مشغول ہوں، اس نصیحت کے مطابق
شیخ پیر محمد دہلی گئے اور شیخ حیدر کی خدمت میں رہ کر کتب درسیہ کی تکمیل کی، یہاں بھی
ان کی ملاقات شیخ عبد اللہ سیاح سے ہوئی اور انھوں نے شیخ پیر محمد کو طریقت کے تمام
طرق و سلاسل اور عوارف المعارف و جواہر خمسہ کی اجازت دی، علوم ظاہری اور

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۱۳،

علوم باطنی کی تحصیل و تکمیل کے بعد لکھنؤ واپس آکر تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین کا مشغلہ اختیار کیا اور گیارہویں صدی میں دیارِ مشرق کے مشاہیر علماء و مشائخ میں شمار کئے گئے، ان کی تصانیف میں حاشیہ ہدایہ، مجموعہ فتاویٰ، سراج الحکمۃ حاشیہ ہدایت الحکمۃ اور منازل اربعہ مشہور کتابیں ہیں، ان سے بہت سے علماء و مشائخ نے فیض پایا جن میں شیخ غلام نقشبند کے والد شیخ عطاء اللہ نمایاں ہیں، ۱۴ رجمادی الاخریٰ ۱۰۸۵ھ میں لکھنؤ میں وفات پائی اور دریائے گومتی کے کنارے ایک ٹیلہ پر دفن کئے گئے جو بعد میں ٹیلہ محمد شاہ کے نام سے مشہور ہوا،[1]

میر محمد شفیع دہلوی

میر محمد شفیع بن محمد مقیم حسینی دہلوی لاہور میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں والد کا انتقال ہوگیا، اور اپنی والدہ کے چچا محمد طاہر کے ساتھ جونپور چلے آئے، اور شیخ جلال الدین حسین پوری سے بیعت کرکے کچھ دنوں جونپور میں مقیم رہے، جب محمد طاہر لکھنوی کی وقائع نگاری پر مقرر ہوئے تو ان کے ہمراہ لکھنؤ جاکر شیخ عبدالقادر لکھنوی متوفی ۱۰۷۰ھ سے بعض کتابیں پڑھیں، اس وقت شیخ پیر محمدؒ کی ذات مرجع بنی ہوئی تھی، میر محمد شفیع کچھ دنوں انکی خدمت میں رہے، اور ان ہی کے مشورہ سے دوبارہ جونپور جاکر وہاں کے اساتذہ سے کتب درسیہ کی تحصیل و تکمیل کی، اور واپس آکر شیخ پیر محمد سے باقاعدہ بیعت کی اور انکی خدمت میں رہے، اس کے بعد جب محمد طاہر کی تقرری گورکھپور میں ہوئی تو ان کے ہمراہ گورکھپور چلے گئے، یہاں حاکم شہر فدائی خاں ان کا معتقد ہوگیا، اسی دوران میں شیخ پیر محمد لکھنوی نے میر محمد شفیع کو مشورہ دیا کہ وہ دہلی میں مستقل قیام کرکے خلق اللہ کی نفع رسانی کریں، چنانچہ وہ دہلی چلے گئے، فدائی خاں بھی دہلی گیا اور اس نے ان کے لئے ایک شاندار

۱؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۳۴، ۳۵، نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۶، ۹۷

مدرسہ اور خانقاہ

تعمیر کی، ۱۰۸۶ھ میں اپنے مرشد شیخ پیر محمد کے وصال پر لکھنؤ آئے اور اپنے شاگرد رشید شیخ غلام نقشبند کو ان کا سجادہ نشین بنایا اس کے بعد حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور ۲۸ محرم ۱۱۰۹ھ کو دہلی میں فوت ہوئے،[1]

جامعیت

شیخ غلام نقشبند علم و عرفان اور شریعت و طریقت میں جامع شخصیت رکھتے تھے، علوم دینیہ کے علاوہ علوم عقلیہ، علوم ادبیہ، نحو، لغت، اشعار عرب، ایام عرب اور شعر و ادب میں اپنے دور و دیار کے سب سے بڑے عالم مانے جاتے تھے، وہ بیک وقت مدرس، مرشد، مصنف اور شاعر سب کچھ تھے، ان کے اوصاف و کمالات نے ان کو طالبانِ علوم اور طالبانِ فیوض دونوں کا مرجع بنا دیا تھا، آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام میں لکھا ہے:-

علامہ ایست جامع عجائب و غرائب علوم خدارسی، خازن اسرار العلوم مکتوم،[2]

وہ ایسے علامہ ہیں جو خدا تک پہنچانے والے علوم کے عجائب و غرائب کے جامع اور علوم مخفیہ کے اسرار کے دانا ہیں۔

سبحۃ المرجان میں ہے:-

ھو اوحد الزمان، والجامع بین العلم والعرفان،[3]

وہ یکتائے زمانہ اور علم و عرفان کے جامع ہیں،

تذکرہ علمائے ہند میں ہے:-

یگانۂ روزگار، جامع شریعت و طریقت بود،[4]

وہ یگانۂ روزگار اور شریعت و طریقت کے جامع تھے،

۱؎ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۱۹، ۲؎ مآثر الکرام ج ۱ ص ۲۱۳،
۳؎ سبحۃ المرجان ص ۸۰، ۴؎ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۸،

صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:-

الشیخ العالم الکبیر العلامۃ ..... کان من کبار الاساتذۃ لم یکن فی زمانہ اعلم منہ بالنحو واللغۃ والاشعار وایام العرب وما یتعلق بہا، متوفراً علی علوم الحکمۃ[1]	وہ شیخ عالم کبیر، علامہ اور کبار اساتذہ میں سے تھے ان کے زمانہ میں نحو، لغت، اشعار، ایام عرب اور ان کے متعلقات کا ان سے بڑا عالم نہیں تھا، نیز علوم حکمت و فلسفہ سے حصہ وافر رکھتے تھے،

شیخ صاحب اکیس[21] سال کی عمر میں ۱۰۷۲ھ میں تحصیل و تکمیل سے فارغ ہوئے، ۱۰۸۵ھ میں شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے تعلیم و تدریس اور ارشاد و تلقین میں مصروف ہوئے، بارہ تیرہ سال کی درمیانی مدت غالباً درس و تدریس میں گذری اور ۱۰۸۵ھ سے وفات ۱۱۲۶ھ تک اپنے مرشد کی جگہ مسلسل چالیس[41] سال تک علمی اور دینی خدمات انجام دیں،

شیخ پیر محمد کی وفات اور شیخ غلام نقشبند کی سجادہ نشینی

حضرت شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد شیخ غلام نقشبند کی جانشینی شیخ صاحب کی دینی اور علمی زندگی کیلئے مبارک ثابت ہوئی، اسی کے بعد ان کو قبول عام حاصل ہوا، اس سلسلہ میں ان کے والد کے شاگرد اور خود انکے استاد میر محمد شفیع نے اخلاص و ایثار کا جو مظاہرہ کیا ہے وہ استادی اور شاگردی کی دنیا کا اہم واقعہ ہے جو آجکل کے اساتذہ و تلامذہ کے لئے سبق آموز ہے،

آزاد بلگرامی نے ماثر الکرام اور سبحۃ المرجان میں اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ شیخ پیر محمد قدس سرہٗ کی وفات کے بعد ان کے تمام خلفاء اور مریدوں نے باتفاق رائے میر

لہ نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۱۳،

محمد شفیع کو اُن کا سجادہ نشین منتخب کرکے ان کے دہلی سے آنے تک سجادہ کو تہ کرکے رکھدیا، میر محمد شفیع نے لکھنؤ آکر چاہا کہ اپنے بجائے اپنے شاگرد و رشید شیخ غلام نقشبند کو سجادہ نشین بنائیں، اور اس کو اسطرح چھپائے رکھا کہ شیخ غلام نقشبند کو بھی اس کی خبر نہیں دی، اور اس رسم کے لئے ایک دن مقرر کیا، جب لوگ جمع ہوگئے تو سجادہ کو خلفاء و مریدین کے سامنے بچھاکر شیخ غلام نقشبند کا ہاتھ پکڑا اور سجادہ پر بٹھا دیا، اور ان کے سامنے آداب مریدی سے مؤدب ہوکر بیٹھ گئے، ان کو دیکھکر تمام حاضرین نے ایسا ہی کیا، آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:-

قدر و منزلت شیخ غلام نقشبند از ینجا توان دریافت کہ اوُ شایستہ خلافت دیدہ بجائے پیر نشاند، و آداب مریدانہ بجا آورد، فی الواقع شیخ غلام نقشبند سجادہ را رونق دیگر داد و مرجع طلاب ظاہری و باطنی گردید، و جہانے را بہ یمن تربیت از کمالات جہتین گران مایہ ساخت سلسلۂ اکثر فضلائے عصر بہ آنجناب منتہی می شود، لہ	شیخ غلام نقشبند کی قدر و منزلت اسی سے معلوم کرنی چاہیے کہ میر صاحب نے ان کو سجادہ نشینی کے قابل سمجھکر اپنے پیر کی جگہ پر بٹھایا اور خود آداب مریدی بجالائے، واقعہ یہ ہے کہ شیخ غلام نقشبند نے سجادہ کو کچھ اور ہی رونق بخشی اور علوم ظاہری و باطنی کے طالب علموں کے مرجع بنکر ایک دنیا کو اپنی تربیت کی برکت سے علمی و روحانی کمالات سے مالا مال کیا، اس زمانہ کے اکثر علماء و فضلاء کا سلسلۂ درس انہی پر ختم ہوتا ہے،

سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں" ومن ھھنا یعرف علو منزلۃ الشیخ حیث وجدہ المیر اھلاً للسجادۃ وآثرہ علی نفسہ فی الجلوس علیھا، فزینھا الشیخ بالتمکین

لہ ماثر الکرام ص ۲۱۴؛

ونفع خلقا کثیرا بالتدریس والتلقین وسلسلة الاکثرین من علماء العصر تنتھی الیہ۔[1] نزہۃ الخواطر میں بھی شیخ غلام نقشبند کے حالات میں ان ہی کی جانشینی کی تصریح کی ہے، اگر میر محمد شفیع کے ذکر میں لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے پیر و مرشد کی مسند پر محمد آفاق بہاری کو بٹھایا، جو خلاف واقعہ معلوم ہوتا ہے،

میر صاحب سے خصوصی نسبت اور انکا احترام

میر محمد شفیع نے اپنے یتیم استاذزادے شیخ غلام نقشبند کی تعلیم و تربیت اور عزت و شہرت میں جس اخلاص و محبت کا ثبوت دیا، شاگرد نے ہمیشہ اس کا پورا لحاظ رکھا، چنانچہ میر صاحب کی وفات کے بعد جب لکھنؤ سے دہلی جاتے تھے تو ان کے مزار پر فاتحہ پڑھکر ایصال ثواب کرتے تھے، آزاد بلگرامی نے لکھا ہے:-

محل اقامت میر محمد شفیع شاہجہان آباد بود، و تکیۂ ایشان دراں مصر جامع مشہور است، شیخ غلام نقشبند برائے زیارت میر قدس سرہٗ ہم در ایام حیات وہم بعد از ممات او بہ شاہجہاں می رفت و کسب برکات می نمود،[2]

میر محمد شفیع کا قیام دہلی میں تھا، اور انکا تکیہ وہاں مشہور ہے، شیخ غلام نقشبند میر صاحب کی زندگی میں اور ان کے انتقال کے بعد بھی ان کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے، اور کسب برکات فرماتے تھے،

شیخ صاحب نے میر صاحب کی مدح میں عربی میں تیس اشعار کا ایک ...... قصیدہ بھی کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے،

خلیلیّ حل هاتان دارة جلجل ودارة سلمی فی قفاف عقنقل

[1] سبحۃ المرجان ص ۷۰، [2] مآثر الکرام ص ۲۱۴،

استاد کی شفقت اور شاگرد کے احترام کو دینی وعلمی افادہ واستفادہ کے درمیان واسطۃ العقد کی حیثیت حاصل ہے اور تعلیم و تعلم کا بھرم اسی ربط و تعلق سے قائم ہے، شیخ صاحب اور میر صاحب کا باہمی ربط اس کی بہترین مثال ہے،

تدریس وافادہ

شیخ غلام نقشبند اپنے اقران ومعاصرین میں تعلیمی خدمات، تلامذہ کی کثرت اور علمی سلسلہ کی افادیت و وسعت میں خاص شہرت رکھتے ہیں، یوں تو ان کے دور میں دیار پورب میں بہت سے علماء و فضلاء اور مشائخ تعلیم و تلقین میں مصروف تھے مگر شیخ صاحب کے تعلیمی و تدریسی سلسلہ سے جتنا فیض پہنچا وہ ان کا طرۂ امتیاز ہے، آزاد بلگرامی کا یہ بیان گذر چکا ہے "سلسلۂ اکثر فضلائے ہند بہ آں جناب منتہی می شود"، سبحۃ المرجان میں ہے ونفع خلقا کثیرا بالتدریس والتلقین و سلسلة الاکثرین من علماء العصر تنتھی الیہ،

تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

وتمام عمر گرامی خود بافادہ وتدریس طلبۂ علوم بسر بردہ جمعے کثیر از افاضل نامدار بسایۂ تربیتش بمراد خود رسیدند و سلسلۂ تعلیم اکثر علمائے ہندوستان بدو می پیوندد،[1]

شیخ صاحب نے اپنی پوری زندگی طالب علموں کے افادہ و تدریس میں بسر کی، اور فضلاء کی ایک بڑی جماعت انکے زیر تربیت رہکر بامراد ہوئی، ہندوستان کے اکثر فضلاء کا سلسلۂ تعلیم ان پر منتہی ہے

صاحب نزہۃ الخواطر نے "کان من کبار الاساتذۃ"، کے جامع الفاظ میں شیخ صاحب کی تعلیمی و تدریسی خدمات کو بیان کیا ہے،

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۵۸،

شیخ غلام نقشبند نے شیخ پیر محمد کی وفات کے بعد ان کی جگہ سنبھالی اور تقریباً چالیس سال تک تعلیمی مشغلہ جاری رکھا، یہ چالیس سالہ دوران کی علمی زندگی کا حاصل ہے، ان کی درسگاہ میں طلبہ کی کثرت اور تعلیمی سرگرمی نے ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے دور کی یاد تازہ کر دی، یوں تو ان کی درسگاہ سے صدہا طلبہ عالم و فاضل بنکر نکلے اور اپنے اپنے دیار میں علمی شہرت کے مالک ہوئے مگر ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ بانی درس نظامیہ ان سب میں شیخ صاحب کے سچے جانشین ثابت ہوئے، ان کے واسطہ سے شیخ صاحب کا تعلیمی سلسلہ پورے ہندوستان میں جاری و ساری ہوا،

تلامذہ کے ساتھ شفقت و محبت

شیخ غلام نقشبند بڑے شفیق مدرس تھے، ان کے علم و فضل کا اعتراف کرکے خوش ہوتے تھے، ان کی ترقی درجات کے لئے دعائیں اور نیک تمنائیں کرتے تھے، استاد کی اس شفقت سے طالب علموں کو بڑا فیض پہونچتا تھا، اسکی ایک مثال ملاحظہ ہو" میر عبد الجلیل بلگرامی بھی شیخ صاحب کے نامور شاگرد تھے، جن کے فضل و کمال کا وہ کھلے الفاظ میں اعتراف کرتے تھے، اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہتے تھے، آزاد بلگرامی میر عبد الجلیل کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

شیخ غلام نقشبند لکھنوی ہمیشہ تعریف و توصیف می نمود،

شیخ غلام نقشبند ہمیشہ ان کی تعریف و توصیف کیا کرتے تھے،

پھر یہ واقعہ درج کیا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ غلام نقشبند نے ایک تاریخی دائرہ بنا کر اپنے شاگرد میر عبد الجلیل کے پاس بھیجا اور حروف ابجدی سے اعداد و تواریخ نکالنے کا طریقہ نہیں لکھا، میر صاحب نے اس تاریخی دائرہ کا حل معلوم کر لیا اور خود بھی

اسی طرح کا ایک دائرہ بنا کر استاد کی خدمت میں بھیجا تو استاد نے اپنے شاگرد کی فہم و فراست پر خوش ہو کر یہ خط تحریر فرمایا،

میر والا مدارج انسانی مجمع فیوضات ربانی علامت! گرامی نامہ خلت شمامہ مشتمل بر رسیدن بلگرام و تفویض خدمت بخشی گری و وقائع نگاری گجرات رسید، مسرت فراوان بخشید الحمد للہ کہ بر وفق خواہش دوستاں با جمعیت این طرف تشریف آوردند، فقیر را مخلص صمیم دانستہ از دیاد دعا غافل ندانند، حق سبحانہ ہمیشہ در ترقی جمعیت نشائتین دارد، دیگر رسالہ اعجاز از دوائر رسید، زبان از مدحت آن قاصر است، حقا کہ ذات سامی آیات دریں زمانہ بے عدیل است، اللہ تعالیٰ ایں افادہ مستدام دارد، زہے فطرت صائب و ذہن ثاقب کہ سرش معلوم نمودہ، دائرہ از خود وضع نمودند غرض کہ کمالِ سامی از تحریر بیرون است دیگر از اشتیاق گرامی صحبت چہ بر گزارد،

صاحب مدارج انسانی مجمع فیوض ربانی جناب میر صاحب! آپ کا محبت آمیز گرامی نامہ پہونچا جس میں بلگرام پہونچنے اور گجرات میں بخشی گری اور وقائع نگاری پر تعیناتی کی خبر ہے، جس سے بہت زیادہ خوشی ہوئی، الحمد للہ کہ دوستوں کی خواہش پر آپ یہاں تشریف لائے، فقیر کو اپنا مخلص سمجھئے اور اسے یاد اور دعا سے غافل نہ سمجھئے، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ علم و معرفت کی ترقی عطا فرمائے، دوسری بات یہ ہے کہ دو دائرہ کا نقشہ معجز نما پہونچا، اس کی تعریف سے زبان قاصر ہے، واقعہ ہے کہ آپ کی ذات بلند صفات اس زمانہ میں بے مثل ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی افادیت کو قائم و دائم رکھے، کیا ہی فطرت صائب اور ذہن ثاقب ہے، آپ نے خود دائرہ بنایا ہے، الغرض آپ کا کمال تحریر سے

اللہ تعالیٰ بوجہ احسن میسر آید، والسلام[۱] بالاتر ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی صحبت گرامی کا بیحد اشتیاق ہے، اللہ تعالیٰ بخیر وخوبی اس کا موقع دے،

شیخ صاحب کے اس ایک مکتوب سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے شاگردوں پر کس قدر شفیق تھے، اور ان کے فضل وکمال کا کتنا کشادہ دلی سے اعتراف کرتے تھے،

(باقی)

---

[۱] ماثر الکرام ص ۲۵۹، ذکر میر عبد الجلیل بلگرامی،

حیاتِ شبلی

یہ ایک ایسی ہستی کے سوانح کے اوراق ہیں، جس نے ۳۲ برس یعنی ۱۸۸۲ء سے ۱۹۱۴ء تک ہندوستان اور ساری اسلامی دنیا کو اپنے قلم کی روانی سے سیراب، اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم اور اپنی نواسنجیوں سے پُرشور رکھا، یہ عہد جدید کے سب سے بڑے عالم کی زندگی کے واقعات ہیں، جن میں قدیم کے ساتھ جدید رجحانات بھی پہلو بہ پہلو تھے، اس لئے وہ قدیم وجدید کے سنگم تھے، وہ قدیم علوم کے عالم بھی تھے، اور جدید علوم کے بہت سے آراء وخیالات سے واقف بھی، قدیم علماء کی صحبت بھی اٹھائی تھی، اور جدید تعلیم یافتوں کی صحبت میں بھی رہے تھے، وہ محقق بھی تھے۔ اور شاعر بھی، انشا پرداز بھی تھے، اور خطیب بھی، اور نئے زمانہ کے اقتضاءات ومطالبات سے کسی حد تک ہم آہنگ ہونے کے باوجود بہت سی باتوں میں انقلابی بھی تھے، اور یہ سب رنگ اُن کی زندگی میں نمایاں تھے، جن پر لائق شاگرد نے فاضل استاد کے اسلوب وطرز ہی میں پوری تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اور اُن کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے مقدمہ میں دیارِ مشرق کی جن میں اعظم گڈھ بھی شامل ہے۔ مولانا شبلی کے دور تک علوم اسلامیہ کے درس وتعلیم کی پوری تاریخ آگئی ہے،

مولفہ:- مولانا سید سلیمان ندوی، قیمت:- ۱۷ روپئے ۵۰ پیسے۔ "منیجر"

علم بلاغت کی ابتداء اور ارتقاء

از

جناب شفیق احمد خاں صاحب ندوی ایم اے

(۲)

رسائل الانتقاد (ابن شرف، ابن شہید اور خوارزمی) خوارزمی اور ابن شرف کے ادبی رسائل کو عربی ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان رسائل میں بلاغت کی بہت سے مسائل پر بحث ہے، ابن شرف کے ایک معاصر ابن شہید کا نام بھی بلاغت کی تاریخ میں آتا ہے، جنھوں نے التوابع والزوابع لکھی، لیکن ان کے یہاں کوئی خاص جدت وندرت نہیں ہے،

الشعر والشعراء (ابن قتیبہ) ابن قتیبہ نے علم بلاغت سے متعلق باقاعدہ کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی، لیکن چونکہ ابن قتیبہ کا نام ان چند گنے چنے نقادوں میں شمار ہوتا ہے، جنھوں نے پہلے پہلے بلاغت کے اصولوں اور معیاروں کے مطابق شعر وشاعری پر مبسوط ومدلل بحث کی، شاعروں کے مختلف مدارج ومراتب مقرر کئے اسلئے ان کا تذکرہ بھی غیر ضروری نہیں ہے،

ابن قتیبہ نے اشعار کی تہذیب وتنقیح اور ان کی حقیقی اقدار سے پہلی بار شائقین ادب کو آشنا کیا، اپنے کسی بیان کو دلائل سے تشنہ نہیں رکھا اور بلاغت اور نقد کے اصولوں کو شعوری یا لاشعوری طور پر بڑی حد تک برتا، الشعر والشعراء ہی طرح ایک دوسری کتاب ادب الکاتب بھی اس نے لکھی،[۱]

---

[۱] ابن خلدون مقدمہ

امام عبدالقاہر جرجانی

عربی علوم و فنون کی تاریخ میں پانچویں صدی ہجری کے مایۂ ناز جلیل القدر فاضل امام عبدالقاہر جرجانی کا نام اور کام نہایت نمایاں ہے، عبدالقاہر نہ صرف ایک ماہر علم بلاغت کی حیثیت سے مشہور ہیں بلکہ ایک کہنہ مشق شاعر، ماہر لسان و لغت ادیب، سخن سنج نقاد اور امام النحاۃ کی حیثیت سے بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں، انھوں نے صرف، نحو، عروض اور بلاغت کے اصول و قواعد کے منتشر ذخائر کو مرتب و منسق کرکے استنباطات مسائل کے ذریعہ فن تنقید، نحو و صرف اور بلاغت کے بنیادی اصولوں کا احیاء کیا۔

سچ یہ ہے کہ اگر عبدالقاہر نہ ہوتے تو قرآن کے بلاغی اعجاز تک ہماری رسائی بہت مشکل تھی۔ اہل نظر کے درمیان یہ مقولہ مشہور ہے "لولا عبدالقاهر والزمخشري لضاعت بلاغة القرآن عنا"، ڈاکٹر احمد بدوی نے مصر سے ایک مستقل کتاب عبدالقاهر وجهوده في البلاغة العربية لکھکر تمام اہل علم کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عبدالقاہر نے جاحظ، ابن المعتز، اور اپنے استاد قاضی علی جرجانی سے اکتساب فیض کرکے ایک بالغ نظر محقق کی طرح تدقیق و تحقیق کے ساتھ منظم و مستحکم بلاغی کارنامے اس طرح پیش کئے کہ ان کی اپنی جدت و جودت نمایاں ہے۔[1] اگر رنگ برنگے دھاگوں کی مدد سے انھوں نے ایک شاندار قبا تیار کرکے پیش کی تو یہ فنکاری ہی کیا کم اہمیت رکھتی ہے۔ وہ بجا طور پر معمار بلاغت ہیں۔ یحییٰ بن حمزہ علوی اپنی کتاب الطراز میں رقم طراز ہیں۔

"وأول من أسس هذا الفن (أي البلاغة) قواعده وأوضح براهينه وأظهر فوائده ورتب قوانينه، الشيخ العالم علم المحققين عبد القاهر الجرجاني"[2]

[1] بحوالہ احمد بدوی: عبدالقاہر وجہودہ فی البلاغۃ العربیہ ص ۱۳۵، [2] الطراز ص ۴ ج ۱

جرجانی علم معانی کے بانی ہیں۔ معانی، بیان اور بدیع کے مسائل کو مدون کرکے الگ الگ علوم کی حیثیت سے فروغ دینے کا کام جرجانی ہی نے کیا۔ الرسالۃ الشافیہ اسرار البلاغہ، اور دلائل الاعجاز ان کی مشہور تالیفات ہیں۔ ان سب کتابوں میں منطق و فلسفہ کا الجھاؤ نہیں، سجع بندی اور عبارت کی رنگینی کا بھی گزر نہیں۔ سادگی اور فصاحت کے ساتھ خالص ادبی اور بیانیہ انداز میں قرآن حکیم کے بلاغی اعجاز کے دلائل اور بلاغت کے اسرار و رموز قاری کے ذہن میں آسانی سے اتار دینا عبدالقاہر کا طرۂ امتیاز ہے۔

دلائل الاعجاز

دلائل الاعجاز میں شیخ عبدالقاہر جرجانی (المتوفی ۴۷۱ھ) نے قرآن کریم کے ادبی اعجاز اور بلاغی کارنامے مدلل و مبرہن کئے ہیں، اور دکھایا ہے کہ اہل عرب اپنی بے پناہ ادبی مہارتوں اور بلاغی صلاحیتوں کے باوجود قرآن کریم کی بلاغت کو کیا اس کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ قرآن نے بار بار ان کی ادبی صلاحیتوں کو چیلنج کیا۔ لیکن وہ اس کے جواب سے عاجز رہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"وأنه لو لم يكن عجزهم عن معارضة القرآن وعن أن يأتوا بمثله لأنه معجز في نفسه لكن لأن أدخل عليهم العجز عنه وصرفت هممهم وخواطرهم عن تأليف كلام مثله"

جرجانی کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے لحاظ سے کوئی نہ کوئی معجزہ خاص طور سے عطا فرمایا۔ حضرت عیسیٰ مسیحؑ کو فروغ طب کے زمانہ میں مسیحائی دی گئی موسیٰ کلیمؑ کو ساحری کے دور میں عصائے کلیمی دیا گیا۔ صنعت و صناعت کے زمانہ میں حضرت داؤد کو لحن داؤدی کے ساتھ ساتھ لوہا پگھلانے اور اسلحہ بنانے کی قدرت کا معجزہ بخشا گیا۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں اہل عرب اپنی فصاحت و بلاغت پر نازاں تھے۔ دوسروں کو عجم

کہتے تھے۔ اس لئے آپ قرآن حکیم کی صورت میں ایک ادبی و بلاغی معجزہ لیکر مبعوث ہوئے۔ جرجانی نے نحوی مباحث کی ترویج اور علم معانی کی تاسیس کے ذریعہ بکثرت معاییر بلاغت کے سہارے اسی اعجاز کو مدلل و مبرھن کیا۔

اسرار البلاغۃ شیخ عبدالقاہر نے اسرار البلاغہ، دلائل الاعجاز سے پہلے لکھی تھی۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ علم بلاغت کی خالص فنی کتاب ہے۔ جس کا مقصود بحیثیت فن کے علم بلاغت کا مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں جرجانی کے بلاغی جوہر علم برائے علم، کے نقطۂ نظر سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں۔ آیات قرآنیہ سے استشہاد اس میں کم ہے۔ شعراء، ادباء اور فلاسفہ کے اقوال سے بحث زیادہ ہے۔ ارسطو اور اس کے شاگرد افلاطون کے حوالے بھی ہیں۔ اسرار البلاغہ میں بحیثیت ادب ان کی حیثیت ابھری ہوئی ہے۔

شعر اور خطاب کے درمیان فرق کرتے ہوئے ارسطو نے کہا تھا۔ خیر الشعر اکذبہ اس کی مراد اس قول سے شاید مبالغہ و اغراق تھا۔ عبدالقاہر اس کی لطیف توجیہہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ادبیت کے دو مفہوم ہوتے ہیں۔ ایک شاعرانہ مفہوم اور دوسرا حقیقی مفہوم بیان شاعرانہ تعبیر مقصود ہے ورنہ حقیقت تو یہی ہے کہ خیر الشعر اصدقہ" البتہ شعر الشعر اکذبہ، بہر کیف ممکن ہے۔

اسرار البلاغہ' میں علم بیان کے عناصر زیادہ نمایاں ہیں جب کہ اول الذکر میں علم المعانی اور دیگر اصناف بلاغت سے بھی کام لیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ابن الرومی کے کلام پر عبدالقاہر کی تشبیہات و استعارات وغیرہ کی بحث جو انھوں نے ابن الرومی کی توصیف نرگس پر پیش کی خصوصیت سے قابل مطالعہ ہے۔

یہ دونوں کتابیں بلاغت اور ادبی تنقید کی شاہکار ہیں۔ عربی ادب کا کوئی بھی طالب علم ان سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

الکشاف از زمخشری یہ کتاب بنیادی طور پر جیسا کہ سب جانتے ہیں تفسیر کی کتاب ہے۔ لیکن فن بلاغت ہی اس تفسیر کی بنیاد ہے۔ جار اللہ زمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ) نے علم معانی اور علم بیان کی روشنی میں قرآن کریم کی بلاغت ثابت کی ہے۔ اور اس طرح اس کے اعجاز کو ثابت کیا ہے۔ اس حیثیت سے بھی اس کی تفسیر کو دوسری تفسیروں میں خاص فضیلت و فوقیت اہل علم کے درمیان حاصل رہی ہے۔ اہل تاریخ کہتے ہیں" لولا عبد القاهر والزمخشري لضاعت بلاغة القرآن عنا" یہ مقولہ زمخشری کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ عبدالقاہر کے دوش بدوش انھیں جگہ ملی۔ زمخشری معتزلی تھے۔ اس لیے جابجا عدل اور توحید، کی معتزلی اصطلاحات کے پردے میں بدعت و اعتزال سمونے سے بھی نہیں چوکتے۔ ابن خلدون اس کے پہلو سے متنبہ کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"زمخشری علم بلاغت کے ذریعہ تفسیر قرآن کرتے ہیں۔ وہ اس کے مرد میدان ہیں۔ تفسیر کشاف کا مطالعہ ایسے ہی شخص کے لیے مناسب و مفید ہو سکے گا۔ جو ایک طرف تو عقائد اہل سنت میں مضبوط و پختہ ہو تو دوسری طرف علم بلاغت کا بھی ایسا ماہر ہو کہ جہاں زمخشری اہل سنت کے عقیدے سے انحراف کر کے نکات بلاغت کے پردہ میں بدعت و اعتزال کی بات کرنے لگیں وہاں وہ علم کی روشنی میں اس کی تردید کر کے صراط مستقیم پر ثابت قدم رہے"[1]

---

[1] ابن خلدون فی المقدمہ ص ۵۷۳، (ترجمہ عنایت اللہ)

ابن منیر نے ایک مخصوص کتاب "الانتصاف" لکھی ہے۔ جس میں تفسیر کشاف کے
معتزلی عقائد کا پردہ چاک کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ بلاغت کے لعل وگہر میں ان عقائد
کی حیثیت خزف ریزوں سے زیادہ نہیں، جن سے کتاب کی بلاغی قدر وقیمت پر حرف نہیں آسکتا۔

زمخشری نے شیخ عبدالقاہر کی کتابوں سے بہت استفادہ کیا۔ تعریف وتنکیر، تقدیم
وتاخیر، فصل ووصل، حذف وذکر کے مسائل میں جرجانی کی چھاپ نمایاں ہے۔ لیکن
عجیب بات ہے کہ وہ کہیں بھی اپنے پیشرو کا اعتراف نہیں کرتے۔ بلکہ اسے محض فیضان
الٰہی کہہ کر اپنے ہی کمال کا نتیجہ بتاتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمۃ الکتاب میں کہتے ہیں: "وما
الا آیۃ من آیات اللہ وبرکۃ ھذا البیت المحرام التی افیضت علی"[1]

بہرحال اس سے زمخشری کے کارنامے کی بلندی میں فرق نہیں آتا۔ کیونکہ ان کا اصل
کمال علم بلاغت نہیں علم بلاغت کے مسائل کی تطبیق ہے۔ جو بجائے خود قابل تعریف ہے۔

انھوں نے دوران تفسیر میں بہت سے مفروضہ سوالات کے جوابات "فان قلت، قلت"
کہہ کہہ کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں اگر یوں کہیں تو میں یوں کہوں، کی تکرار سے عبارت کی روانی
اور فصاحت میں خلل پڑتا ہے۔ اور گرانی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن معترضین کی تشفی کے لیے
اور صورت بھی کیا ہو سکتی تھی۔

مفتاح العلوم (سکاکی) ساتویں صدی کی ابتدا میں ابو یعقوب سکاکی (المتوفی سنہ ۶۲۶ھ)
کی مایہ ناز کتاب "مفتاح العلوم" نمودار ہوئی۔ اس کتاب میں علم معانی کے مسائل
خصوصاً منطقی اسلوب بیان میں پیش کئے گئے۔ نحو، صرف، عروض اور علوم بلاغت کے
تمام مسائل منطقی وفلسفیانہ انداز نظر کے ساتھ بکثرت درج ہیں۔ یہ کتاب بلاغت کا

[1] الزمخشری:۔ مقدمہ تفسیر الکشاف۔

ایک بحر ناپیدا کنار ہے۔

سکاکی نے معانی کے مباحث کو بیان سے بالکل علاحدہ کر کے پیش کیا ہے۔ پھر تینوں
فنون پر الگ الگ ابواب لکھے ہیں۔ اس کی جزئیات مقرر ومرتب کیں اور اسے صحیح
معنوں میں باقاعدگی عطا کی۔ سچ پوچھئے تو امام سکاکی ہی نے بلاغت کے مسائل کو بلو کر اسکا
لب لباب پیش کیا۔[1] ابن خلدون کے الفاظ میں "یہ کتاب متاخرین کی نظروں میں ایسی
چڑھی کہ بعد میں سب نے اس کو نمونہ بنایا۔ بے شمار متون اسی کتاب کی روشنی میں
تیار کئے گئے۔ جو آج تک پڑھے پڑھائے جاتے ہیں۔ سکاکی نے خود التبیان، کے نام سے اسکا
خلاصہ تیار کیا، ابن المالک نے المصباح، اور جلال الدین قزوینی نے الایضاح،
میں اسی کتاب کا خلاصہ اپنے اپنے انداز میں پیش کیا۔ سبکی نے شرح لکھی اور سعد الدین
تفتازانی نے مختصر المعانی کے نام سے ایک اور خلاصہ تیار کیا۔

المثل السائر (ابن الاثیر) ساتویں صدی کے اہل بلاغت میں ضیاء الدین ابن اثیر
(المتوفی ۶۳۷ھ) کا کام بھی کسی سے کم نہیں، اس کتاب میں آمدی اور ابن سنان سے
زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر میں ایک مقدمہ اور
دو ابواب ہیں اور منطقی طرز استدلال ابن سنان سے کچھ زیادہ ہے۔ ایک باب صناعت
لفظی سے متعلق ہے۔ اور دوسرا صناعت معنوی سے۔ اول الذکر باب میں صیغوں کے
حسن وقبح، تعقید اور منافرت وغیرہ سے بحث ہے۔ دوسرے باب میں تجرید والتفات،
تقدیم وتاخیر، حروف عطف اور کنایہ وتعریض وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو ہے۔

ابن اثیر نے اشعار سے زیادہ نثری ادب سے مدد لی ہے۔ ادبی تنقید تفصیلی کے بجائے

[1] احمد حسن الزیات:۔ تاریخ ادب عربی۔

اجمالی ہے۔ ملو نے بغیر اظہار رائے کے پیش کئے ہیں۔ جن کے سمجھنے اور مطابقت پیدا کرنے میں بسا اوقات زحمت ہوتی ہے۔ ان کی رائے میں اصل کمال ادا کا ہے۔ متبذل کلمہ بھی اگر سلیقہ مندی سے استعمال کیا جائے تو غیر مبتذل ہوجاتا ہے۔ جب کہ نفیس و متین الفاظ بھی بار بار دوہرانے یا ٹھیک سے ادا نہ کرنے کی بنا پر کبھی کبھی مبتذل ہو جاتے ہیں "ان النفیس یبتذل بکثرۃ الاستعمال والکلمۃ المبتذلۃ قد تنفقد ابتذالھا"

حاصل کلام یہ کہ المثل السائر تقلیدی کتاب ہونے کے باوجود بھی سلسلۂ تاریخ بلاغت کی ایک اہم کڑی ہے

آٹھویں صدی ہجری کا بلاغی مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اب علم بلاغت کے دو مکاتب فکر وجود میں آگئے تھے۔ ایک عام ادبی مکتب خیال اور دوسرا سکاکی کا زیر اثر خالص بلاغی اور منطقی مکتب فکر۔

یحیی بن حمزہ علوی اور ابن القیم اول الذکر طبقے سے متعلق ہیں اور قزوینی، عضد ابن سبکی اور سعد الدین تفتازانی سکاکی گروپ کے زیر اثر۔ دونوں اسکولوں کے درجنوں اہل قلم اپنے اپنے انداز پر بلاغت کی ترویج و اشاعت میں لگے رہے لیکن کوئی تخلیقی کارنامہ سکاکی کے بعد ایجاد نہ کیا جا سکا۔

الفوائد (ابن القیم) بلاغت کے ادبی مکتب فکر کے نمائندہ ابن القیم نے اس کتاب کی تالیف میں کتابی اور غیر کتابی مصادر و مراجع سے استفادہ کیا ہے ابن المعتز اور اسامہ بن منقذ کی البدیع، حاتمی کی الحالی، اور المحاضرہ، ابن اثیر کی المجع الکبیر، رجبانی کی نظم القرآن، عسکری کی صناعتین، انصاری کی التامیل، اور

ابن ابی الاصبع کی التفریع سے استفادہ کا تذکرہ خود ابن القیم نے کیا ہے۔ غیر کتابی مراجع میں ان کے درجنوں مشائخ اور خود ان کی کدوکاوش اور عبقریت کو بھی دخل ہے۔

یہ کتاب بلاغت کی ۱۳۰۳ قسموں پر مشتمل ہے، ۴۲ قسمیں مجازی کی ۸۴ معانی کی اور ۲۴ الفاظ سے متعلق ہیں۔ بالبقی اقسام تینوں اصناف پر حاوی شاخ در شاخ مسائل پر مشتمل ہیں، موضوع اعجاز القرآن ہی ہے۔ ابن قیم کی جنیت بھی کتاب میں جا بجا جھلکتی ہے۔

عروس الافراح (ابن السبکی) امام سکاکی کے مقلدین میں ابن سبکی اپنی کتاب عروس الافراح کی بنا پر مشہور ہیں۔ یہ در اصل قزوینی کی تلخیص المفتاح کی شرح ہے۔ اس کبیر الحجم کتاب کا اجمالی خاکہ یہ ہے۔

(۱) شارح نے زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی ہیں، منطق، نحو، لغت وغیرہ کے لاتعداد مسائل جنہیں غیر متعلق رطب و یابس کی بھی کمی نہیں۔

(ب) عقلیت پسندی کا غلبہ ہے۔

(ج) شارح کی شخصیت لاتعداد افکار و اشخاص کے دھندلکوں میں گم ہو گئی ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں مصنف نے تین سو سے زیادہ اہل علم سے استفادہ کیا ہے۔

مختصر المعانی (سعد الدین تفتازانی) علامہ تفتازانی نے قزوینی کی تلخیص المفتاح للسکاکی کی شرح و تلخیص مختصر المعانی اور مطول کے نام سے کیں۔ مختصر المعانی ہر زمانہ میں طلبا ربلاغت میں مقبول رہی۔ اس کتاب میں بڑے سلیقہ سے بلاغت کے تینوں اصناف کے مسائل منطقی طرز استدلال

واضح کئے گئے ہیں، بلاغت کے ہر طالب علم کے لیے اس کا مطالعہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔

مواہب الفتاح (احمد بن یعقوب ولالی) بارہویں صدی ہجری کے شروع میں ابن یعقوب (م ۱۱۲۸ھ) نے مواہب الفتاح، لکھکر مکمل تقلید کی مثال قائم کر دی۔ سعد الدین تفتازانی کے نقش قدم پر عقلی استدلالات اور تاملات کے اضافے کے ساتھ حوالوں کے ذریعہ توضیحات و تعلیقات اس کتاب کا بنیادی کام ہے۔ جو محض تقلیدی ہے۔ لیکن بہر حال مصنفین بلاغت کے زمرے میں آتے ہیں، ابن الخطیب، الشریف، اور ابو القاسم سبتی کا شمار بھی تاریخ بلاغت کے سلسلہ میں کیا ہے۔ جنھیں بلاغت کے کاموں سے خصوصی لگاؤ رہا۔[۱]

دور حاضر میں علم بلاغت، دور حاضر میں علم بلاغت پر کوئی تخلیقی کام نہیں ہوا، اور نہ اس قسم کی کوئی توقع ہے۔ تاہم ایسے متعدد اہل علم موجود ہیں، جنھوں نے جدید تنسیق و تہذیب کے ساتھ علوم بلاغت کے احکام و مسائل کو نئے اسلوب سے مبوب و مفصل کر کے پیش کیا ہے۔ جس سے نئی نسل بچے بلاغت کے مشکل مسائل تک رسائی حاصل کرنا آسان ہو گیا ہے۔

ان اہل قلم میں جنھوں نے بلاغت کے صہبائے کہن کو نئے جام و ساغر میں پیش کر کے بیش بہا خدمات انجام دیں، امین الخولی (البلاغۃ العربیۃ واثر الفلسفہ فیہا)، علی الجازم و احمد مصطفیٰ (البلاغۃ الواضحۃ) بطرس البستانی (البیان) اور السید احمد الہاشمی (جوہر البلاغۃ فی المعانی والبیان والبدیع) کے نام اور کام نمایاں ہیں۔ ان کی افادیت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۱] محمد بن تاویت، مقدمہ "دلائل الاعجاز" سے استفادہ

چین میں اسلام کا داخلہ

مترجمہ

ضیاء الدین اصلاحی

چین میں اسلام کے داخلہ کے ذکر سے عربی مآخذ تقریباً خالی ہیں، جن کتابوں میں اسکا کچھ ذکر بھی ہے وہ بالکل مختصر، ناکافی اور غیر تسلی بخش ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ چینی زبان سے عرب ناواقف ہیں اسی لیے چینی زبان و ادب اور ثقافت و تاریخ کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ کرنا بڑا مشکل ہے، دوسرے چین مشرق بعید میں ہونے کی وجہ سے عرب ملکوں سے بہت دور ہے، اور گذشتہ کئی صدیوں ... بوں سے اس کے تعلقات بھی منقطع تھے، اسی بنا پر وہ عالم اسلام سے بالکل الگ تھلگ ہو گیا۔ چین کے جو مسلمان عربی ملکوں میں جاتے ہیں، وہ محض فریضۂ حج ادا کر کے واپس چلے آتے ہیں، عربی زبان سے ان کی ناواقفیت کی بنا پر عربوں کو ان بات چیت اور استفادہ کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

چین میں کمیونزم کے تسلط نے مسلمان علماء کی ان اہم علمی و دینی اور تاریخی کتابوں اور بیش قیمت مخطوطات و نوادر کو ضائع کر دیا، جب بہت قدیم اور تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی تصنیف تھے۔ ان میں بعض تیسری صدی کے مذہب مصاحف بھی تھے،

ان ہی وجوہ سے اس کا بہت کم پتہ چلتا ہے کہ چین میں اسلام کب آیا؟

چینی تاریخ کوان تانگ (Kwon Tung) میں بہت صراحت کے ساتھ

درج ہے کہ

"اسلامی وفد ۶۱۸ء میں خاندان تانگ (Tang) کے بادشاہ تای سانگ (Tai Sung) کے عہد حکومت میں چین پہنچا اور کنتن (Canton) کے شہر میں قیام پذیر ہوا۔

اسی تاریخ میں یہ بھی ہے کہ

"مذہب اسلام ایک معبود برحق پر ایمان لانے کا داعی اور بتوں کی پرستش سے روکنے والا ہے، اس کے متبعین نمازوں کی ادائیگی کے لیے مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں، وہ شراب نہیں پیتے نہ سور اور مردار کھاتے ہیں۔ صرف اپنے ہاتھوں سے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں۔ ان مسلمانوں کو ہوئی (Hui) کہا جاتا ہے۔

کنتن کے باشندوں کی درخواست پر مسلمان مبلغین چین میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ اور اور یہاں خاص طرز کے ایسے مکانات تعمیر کئے تھے جن کو دیکھنے ہی سے معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ مسلمانوں کے گھر ہیں۔ ان کی اجتماعی زندگی بڑی پاکیزہ اور دوسروں کے لئے عمدہ نمونہ تھی۔"

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی صدی ہجری یعنی ۶۱۸ء میں اسلام چین میں داخل ہو گیا تھا۔ اور اسی سال مسلمان مبلغین وہاں آباد بھی ہو گئے تھے۔

مالزی[1] مورخ استاذ عبداللہ لکھتے ہیں کہ "اسلام سے بھی پہلے سے عرب اور چین کے درمیان تعلقات قائم تھے۔ وہ تجارت کے لیے چینی بندرگاہوں اور ساحلی علاقوں سے ہوتے ہوئے کشتیوں کے ذریعہ فوکین (Fukien) کے جنوب اور کوان تانگ (KwanTang) میں پہنچ چکے تھے۔ اور اکثر نے چین میں سکونت اختیار کرکے اسکو اپنا مستقل وطن بنا لیا تھا۔ ان کا اصلی مقصد تجارت تھا۔ اور یہ لوگ چین سے چائے، لکڑیاں، ریشمی کپڑے، مسالے اور جڑی بوٹیاں اپنے ملک بھیجتے تھے۔ اسلام کے بعد دونوں ملکوں کے

[1] یہ چینی مسلمانوں کے ایک فرقہ کا نام ہے جو مالزی نام کے ایک شخص کی جانب منسوب ہے۔ (مترجم)

تعلقات اور زیادہ مستحکم ہو گئے کیونکہ اکثر چینی خاندانوں میں اسلام کی دعوت پھیل چکی تھی، جب وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فغفور چین کے پاس اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے بھیجا تھا، اس کے قائد وہب بن ابی حفصہ تھے۔ اس وقت سے عرب و چین کے تعلقات محض ذاتی اور اقتصادی نوعیت ہی کے نہ رہ گئے تھے۔ بلکہ وہ دینی و اعتقادی نوعیت کے بھی ہو گئے تھے، وہب بن ابی حفصہ کا کنتن شہر میں انتقال ہوا۔ ابھی تک ان کی قبر یہاں موجود ہے۔"

ان دونوں بیانات میں کوئی تضاد نہیں معلوم ہوتا کیونکہ پہلے بیان میں اس کا ذکر ہے کہ مسلمان مبلغین ۶۱۸ء میں چین پہنچے اور مالزی مورخ کا یہ بیان ہے کہ اسلام سے بھی پہلے سے دونوں ملکوں میں تجارتی تعلقات قائم ہو چکے تھے۔ اسلامی دور میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے چین میں ایک وفد بھیجا۔ ظاہر ہے کہ یہ ۶۱۸ء ہی کا واقعہ ہوگا۔

کوان تانگ کی تاریخ میں اس کا بھی ذکر ہے کہ "چین میں سب سے پہلی مسجد کنتن میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کا نام "ذو المنارۃ المنیرۃ" (Kwong Tanse) ہے یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفد کے چین پہنچنے کے نو سال بعد ۶۲۷ء میں تعمیر ہوئی تھی۔

ایک چینی مورخ (Chien Chinglier chong) نے اپنی تاریخ چین (KwoKlikse) کی چھٹی فصل میں جو کچھ تحریر کیا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں صدی عیسوی کے شروع میں ایک صحابی کو بادشاہ چین (Sue Yang Ti) کے عہد میں بھیجا۔ یہ وفد بحری راستہ سے شہر کنتن (Canton) اور ریاست ٹین سان نام لوک (Tien San Nanluk) پہنچا، یہاں کے اور لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور متعدد مسجدیں تعمیر کی گئیں، اسکے بعد

ایک صحابی ابن حمزہ کی قیادت میں تین ہزار افراد پر مشتمل ایک وفد عرب سے آیا اور اس نے چین کی ریاست سان کان فو (San can Fo) کو اپنا وطن اور مستقر بنایا۔"

گو اس مورخ نے دوسرے مورخین کی طرح ۶۱۸ء کی تصریح نہیں کی ہے۔ لیکن اس کے اس بیان سے کہ "ساتویں صدی ہجری کی ابتدا میں اسلام چین کے اندر پھیلا" اسی کی تائید ہوتی ہے، اور اس پر تو سارے چینی مورخین کا اتفاق ہے کہ اسی صدی میں یہاں اسلام داخل ہوا اور مسجدیں تعمیر ہوئیں۔

چین کی کتب تاریخ میں پہلے وہب بنؓ ابی حفصہ کے نام کا ذکر ہے، اگر دوسرے مورخین کے یہاں اس سے مختلف نام بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ بعض نے جابر بن الاسود کا نام تحریر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ شہر ہانگ کاؤ (Honkow) پہنچے تھے۔ ان ناموں کے سلسلہ میں تحقیق ضروری ہے۔ مورخ مالزی الحاج زین العارفین عباس اپنی کتاب "تاریخ محمد اور اسلام کا چین میں داخلہ" میں لکھتے ہیں:

"سب سے پہلے جس مسلمان نے چین پہنچ کر وہاں کے قبائل کو اسلام کی دعوت دی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی چچا تھے۔

چین کی اسلامی تاریخ میں ایک مشہور و معروف نام سعد اللبید کا ملتا ہے، انھوں نے وہاں اسلام کی اشاعت کی تھی۔ اور وہ مہاجرین حبشہ میں تھے جبشہ سے مکہ واپسی کے بعد وہ چین تشریف لائے، اور بندرگاہ (Chuln chow) میں رکے، یہاں پہلے سے عرب تاجر آباد تھے مگر ان کو اسلام کی دعوت کا کوئی علم نہیں تھا، سعد کی دعوت پر یہ لوگ اسلام لائے۔

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام عہد نبوت میں چین میں داخل ہوا اور اہل عرب اس سے پہلے سے وہاں آباد ہو چکے تھے۔ اور جب سعد اللبید چین پہنچے تو وہ اسلام کی دعوت سے بے خبر تھے، اس لئے انھوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

چین کی تاریخ میں خاندان ٹانگ کی حکومت کا زمانہ عہد زریں سمجھا جاتا ہے، یہ بڑی فارغ البالی اور آزادی کا دور تھا، اس میں ہر شخص کو اس کا پورا اختیار تھا کہ وہ جس دین و مذہب کو چاہے اختیار کرے، اسی عہد میں اسلام کی چین کے اندر اشاعت ہوئی، لیکن حکومت نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا۔

اسلام سے پہلے چینی مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے، جن میں سخت جنگ و جدال برپا رہتا تھا، اسلام نے آکر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اور ان کو ایک عقیدہ و ایمان پر جمع کر کے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، حالانکہ اس سے پہلے وہ ایک دوسرے کے شدید جانی دشمن تھے۔

اسلام کی بلند پایہ اخلاقی تعلیمات نے چینی مسلمانوں کو خاص طور پر بہت متاثر کیا، انھوں نے قرآن مجید کو اپنا مطمح نظر بنایا اور ان کی بدولت چین میں اسلام کی بڑی نشر و اشاعت ہوئی، لیکن وہ پورے چین میں نہیں پھیل سکا اور اس کا دائرہ بعض متعین خطوں ہی تک محدود رہا کیونکہ چین میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کی آمد و رفت میں بڑی دشواری تھی، لیکن عرب ملکوں کا چین سے تعلق برابر قائم رہا اور عربی و ایرانی مسلمان ہمیشہ وہاں پہنچتے رہے۔

خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانہ میں بھی ایک وفد ۶۵۱ء میں چین گیا تھا۔ چین کے بادشاہ کا سفیر جب حضرت عثمانؓ کے پاس آیا تو انھوں نے اس کا

پرتپاک خیر مقدم اور بڑا اعزاز کیا۔ اور جب وہ چین واپس جانے لگا تو انھوں نے چینی بادشاہ کے لیے ہدایا و تحائف بھی بھیجے اور اس کے ہمراہ ایک مسلمان قائد کو بھی روانہ کیا۔ شہنشاہ چین نے ان دونوں کا شہر سیانگ فو (Siang Fo) میں شاندار استقبال کیا۔

چینی تاریخوں میں اس سال کو اسلامی وفد (Yong Hui) کا سال کہا جاتا ہے۔

چینی تاریخوں میں یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں تقریباً ایک سو بیس ہزار عربوں نے چین کو اپنا مستقل وطن بنا لیا تھا۔ اور خاندان تانگ کی حکمرانی کے دور میں وہاں ان کو نمایاں حیثیت اور ممتاز درجہ حاصل تھا۔ یہ حالت خاندان سانگ (Sung) کے زمانہ ۹۹۰ء تک رہی۔

۷۱۳ء میں قتیبہ بن مسلم باہلی ترکستان میں بخارا و سمرقند پہنچے اور یہاں سے چین اور ہنگولیا آئے اس وقت کاشغر (Kashgar) کا بادشاہ مسلمانوں کو جزیہ دیتا تھا۔ قتیبہ نے کچھ مسلمانوں کا ایک وفد مشموج کلابی کی سربراہی میں فغفور چین کے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا۔ یہ شانگ تانگ (Shung Tung) بادشاہ کا دور تھا۔ قتیبہ نے وفد سے عہد لیا تھا کہ وہ فغفور چین کے اسلام لانے سے پہلے واپس نہ آئے گا۔ لیکن وفد کو فغفور چین کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے قتیبہ کو دارالخلافت بلا لیا۔ جب وہ آئے تو ان کو قتل کرادیا۔ اس طرح ان کا بھی وہی حشر ہوا جو ہندوستان میں محمد بن قاسم کا ہوا تھا۔

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بھی ایک وفد چین بھیجا گیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے چین سے بڑے خوشگوار اور پہلے سے بھی زیادہ اچھے تعلقات تھے۔ ۷۳۲ء میں دارالخلافت سے

ایک وفد چین بھیجا گیا تھا۔ یہ وفد چینی بادشاہ کے لئے بہت قیمتی ہدیے لے گیا تھا۔

پہلی اسلامی اقتصادی کانفرنس

تاریخ چین سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۵۸ھ یعنی دوسری صدی ہجری میں عرب کے مسلمان تاجروں اور چین و ہندوستان اور ترکستان کے تاجروں کا شہر کنتن (Canton) میں ایک اجتماع ہوا۔ جس میں انھوں نے تجارتی امور و مسائل پر تبادلۂ خیال کیا۔ یہ چین کی اسلامی تاریخ میں پہلی اقتصادی کانفرنس تھی۔

عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانہ میں فضل بن یحییٰ برمکی نے ۷۹۴ء میں والی خراسان سے کاغذ، کپڑے اور شیشے کے برتنوں کی صنعت کے چینی ماہرین کی ایک ٹیم بغداد بھیجنے کی فرمائش کی، کیونکہ اس زمانہ میں چین ان چیزوں کی صنعت اور کاریگری کے لئے مشہور تھا۔

ان کاریگروں کے بغداد پہنچنے کے بعد وہاں پہلی دفعہ ایک کارخانہ قائم کیا گیا اور اس سے اتنی پیداوار ہونے لگی کہ ان اشیاء کو دوسرے اسلامی ملکوں اور یورپ کے شہروں میں برآمد کیا جانے لگا۔

یہ چینی ماہرین تقریباً بارہ سال تک بغداد میں رہے، ان میں سے بعض تو چین واپس لوٹ گئے اور بعض نے بغداد ہی کو اپنا وطن بنا لیا۔ جو لوگ واپس گئے تھے وہ چین میں اسلام کے داعی اور مبلغ بن گئے، ان میں سے ایک شخص نے "میرا سفرنامہ" (Tin Hsim Chee) کے نام سے ایک کتاب لکھی، اس میں اسلامی ملکوں میں اسلام کے حالات و کوائف بیان کئے گئے ہیں، اسلام کے بارے میں ایک چینی مصنف کی چینی زبان میں یہ سب سے پہلی تصنیف تھی جو دور عباسیہ میں لکھی گئی۔

یہ چین جیسے دور دراز مقام میں اسلام کے پہنچنے اور مسلمان مبلغین کے وہاں داخل ہونے کی مختصر تاریخ تھی۔

چینی تصنیفات میں مسلمانوں کے جو نام درج ہیں ان میں چینی زبان کے تلفظ کے اعتبار سے ردوبدل اور تحریف وتصحیف ہو جانا بعید نہیں ہے، جیسے ابوالعباس کا نام چینی زبان کے تلفظ کے مطابق چینی تاریخ میں (Abo Loba) ابوجعفر المنصور (A Pu chas Fo) کا ہارون رشید (Alun) الحسین (Hoang seng) کا جمیل (Jang) کا عبدالمعطی (Ming) کا اور خاندان عباسیہ (A Pu see) کا (APo Ti) کا ملتا ہے، اسی طرح اور ناموں میں تحریف ہو کر وہ خالص چینی بن گئے ہیں۔

جن عربوں نے چین میں مستقل بود وباش اختیار کر لی تھی وہ چین والوں میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان ہی کے افراد معلوم ہونے لگے۔ اس لئے اب ان کے متعلق امتیاز کرنا مشکل ہے۔ تاہم ناموں کا موضوع ابھی محتاج بحث وتحقیق ہے، میں نے بعض چینی مسلمانوں سے سنا ہے کہ عرب خاندان ابھی تک وہاں موجود ہیں۔ بلکہ بعض تو اپنے کو ان صحابۂ کرام کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ جو چین میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے آئے تھے۔ اس لئے عرب خاندان کے ان ناموں پر جو چینی ناموں میں محرف ہو چکے ہیں۔ اور ابھی تک وہاں پائے جاتے ہیں۔ پوری بحث وتدقیق کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ یہ بڑا محنت طلب کام ہے اور اس کے لئے نہایت عمیق مطالعہ کی ضرورت ہے۔

"ض"

(از مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی)

مقالہ نما

مضامین الندوہ

از

جناب مولوی سلمان شمسی صاحب ندوی

متفرقات

"اس عنوان کے تحت متفرق موضوعات کے سوا بعض ان مضامین کا بھی تذکرہ ہے جنھیں اصولاً علمی، ادبی یا مذہبی تقسیم میں آنا چاہئے تھا، لیکن ترتیب میں رہ جانے کی وجہ سے انھیں اس موضوع میں شامل کر دیا گیا ہے۔" "مرتب"

آزاد ابوالکلام دہلوی

"ندوۃ العلماء میں ایک کتب خانہ کی ضرورت" ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

ص ۹-۱۰

حوالہ ۲۷۹/۲

کتب خانہ ندوۃ العلماء کی خصوصیات اور اس کے نوادر کا تعارف کرایا گیا ہے، نیز اس کی توسیع کے لئے اپیل کی گئی ہے۔

۱۔ ابوالحسن علی ندوی (سید)

اسلام کے لال قلعے، — مئی ۱۹۴۰ء

ص ۱۴ - ۲۱

حوالہ ۲۸۷

"مسلمانوں کے بعض حلقوں میں سنجیدگی کے ساتھ یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ عربی مدارس کی اس انقلابی زمانہ میں کیا ضرورت ہے، اور ان کے نہ ہونے سے ہماری زندگی میں کونسا خانہ خالی رہتا ہے، آج کی صحبت میں ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے"

۲- علمائے ربانی اور ان کا منصب اور ان کے کام کی نوعیت — جولائی ۱۹۴۲ء

ص ۸ - ۳۵

حوالہ ۲۸۰/۳

"مضمون ایک سلسلۂ مضامین کا مقدمہ ہے، جس میں علمائے حق اور مجاہدین کے کارنامے ان کے تبلیغی اور اصلاحی کوششوں کی روداد اور ان کی سیرت و حالات پیش کئے گئے ہیں"

۳- "مشاہدات و تاثرات" — مارچ ۱۹۴۰ء

ص ۱۴ - ۲۲

حوالہ ۲۸۷

"۳۹ء و ۴۰ء کے ابتدائی دن جو سہارنپور اور دہلی کے بعض علمی مرکزوں میں گذرے، اس سفر کے بعض مشاہدات و تاثرات قلمبند کئے گئے ہیں"

اعزاز علی ... شیخ الفقہ والادب

"میری محسن کتابیں" — ستمبر ۱۹۴۱ء

ص ۱۴ - ۱۵

حوالہ ۲۸۰/۲

"الندوہ" نے "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابوں" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مقالات شروع کیا تھا جس میں مختلف مشاہیر نے اپنے مشاہدات و تاثرات اور اپنی محسن کتابوں کا تذکرہ قلمبند کیا تھا، جو طلبہ کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا، مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے"

اکبرآبادی - سعید احمد

میری محسن کتابیں — جولائی ۱۹۴۱ء

ص ۴ - ۱۰

حوالہ ۲۸۰/۲

۱- اکرام اللہ خان ندوی

"ایام عرب کا ایک صفحہ" — ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

حوالہ ۲۸۴/۳

"اہل عرب اگرچہ مہتم بالشان واقعات اور آثار سلف کے محفوظ رکھنے میں نہایت ممتاز تھے، اس لئے وہ ضرورت کے وقت گذشتہ واقعات کو نہایت تفصیل سے بیان کر سکتے تھے، لیکن یہ نہیں بتا سکتے تھے، کہ ان واقعات پر کس قدر زمانہ گذرا"

عرب کے واقعات و سنین کی تدوین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲- ایام گذشتہ — جولائی ۱۹۱۴ء

ص ۱ تا ۸

الندوہ کا اداریہ جس میں "ندوہ" اور "الندوہ" دونوں کے ایام گذشتہ پر بھی نظر ڈالی گئی ہے۔

۳- باب مکہ یعنی جدہ کے حالات — جنوری ۱۹۱۵ء ص ۱۳-۲

حوالہ ۲۸۵

جدہ کی آبادی تقریباً پچاس ہزار ہے، جن میں قریباً دس ہزار اجنبی مسلمان ہیں جن میں زیادہ تر ایرانی، حضرمی اور ہندوستانی ہیں، اہلِ فرنگ بھی ایک سو سے زیادہ یہاں موجود ہیں،

۴۔ الجنون فنون   فروری ۱۹۱۵ء

ص ۲۲ - ۲۷

حوالہ ۲۸۵

"حال میں جنون کی ایک دلچسپ بحث مجلہ "الہلال" میں شائع ہوئی ہے، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ جنون جیسا کہ عام خیال ہے، انہی افراد انسان تک محدود ہیں، جن کو ظاہر میں دنیا مجنوط الحواس اور پاگل سمجھتی ہے، بلکہ تمام افراد بشر اس میں مبتلا ہیں، اور جنون کا ایک حصہ ہر شخص میں موجود ہے۔" (نقد و تبصرہ)

۵۔ "فلسفہ"   جون ۱۹۱۶ء

ص ۲ - ۱۴

۱۔ "فلسفہ ایک یونانی لفظ ہے جو فیلوس اور سوفیا دو کلموں سے مرکب ہے، فیلسوف اس شخص کو کہتے ہیں جو فنِ حکمت کو عزیز رکھے، فیلسوف کے معنی ہیں حکمت پسند، سب سے پہلے جس کو یہ لقب دیا گیا، وہ فیثا غورث مشہور حکیم ہے جس کا ظہور ۵۶۴ قبل مسیح میں ہوا،"

۶۔ "قوتِ حافظہ اور ہمارے اسلاف"   جولائی ۱۹۱۵ء

ص - ۱ - ۲

حوالہ ۲۸۵

اگرچہ زمانہ گذشتہ میں تمام اقوام و ملل میں علوم کا دارومدار محض حافظہ پر تھا، لیکن ان سب میں اہلِ عرب خصوصیت سے ممتاز نظر آتے ہیں، یہ امر خاص طور سے قابلِ لحاظ ہے کہ ان کی

یہ خصوصیت زمانہ اسلام میں بھی باقی رہی"

۷۔ مدینۃ الرسول   جولائی ۱۹۱۴ء

ص - ۹ - ۲۷

حوالہ ۲۸۴

مدینہ منورہ یا مدینۃ الرسول جس کو طیبہ بھی کہتے ہیں، اور جو ہجرت سے پہلے یثرب کہلاتا تھا، سطح بحر سے تقریباً ۶۱۹ میٹر بلند ہے، اور وہ مشرق کی جانب ۳۹ درجہ اور ۵ دقیقہ کے طول پر اور خط استوائے شمال کو ۲۴ درجہ اور ۵ دقیقہ کے عرض پر واقع ہے۔

۸۔ "موجودہ اضطراب اور یہودی"   جنوری ۱۹۱۶ء

ص ۱۹ - ۲۶

حوالہ ۲۸۶

"فرانس میں یہودیوں کی تعداد ایک لاکھ ہے، بلجیم میں یہودیوں کی تعداد ۱۵ ہزار ہے، اطالیہ میں یہودیوں کی تعداد ۴۵۰۰۰ ہزار ہے، جرمنی میں یہودیوں کی تعداد ۶ لاکھ ہے"

انصاری محمد یوسف ندوی   نومبر ۱۹۱۴ء

قانون حرب   ص ۱۲ - ۲۳

حوالہ ۲۸۴

آج کل یورپ میں جو معرکہ زار گرم ہے، اس نے قدرۃً لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے اور جنگ کے متعلق ہر قسم کی معلومات کا نہایت شوق و رغبت سے مطالعہ کیا جاتا ہے، اس بنا پر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک ملخص پیش کیا جائے، جس سے معلوم ہوگا کہ یورپ کا موجودہ قانون حرب کیا ہے؛

بدر الدین علوی (پروفیسر)

"میری محسن کتابیں" مئی ۱۹۴۱ء

ص ۱۷ - ۳

حوالہ ۲۵۰/۲

بشیر احمد صاحب بی اے آکسن

"میری محسن کتابیں" اپریل ۱۹۴۱ء

ص ۴ - ۶

حوالہ ۲۵۰/۲

ترجمان

"ایجاد و اختراع" جنوری ۱۹۱۵ء

ص ۲۰ - ۲۶

حوالہ ۲۶۵

"جدید ایجادات پر ایک نظر"

سلامت اللہ مولوی

عرب کے قدرتی حصے مئی ۱۹۰۹ء

ص ۲۰ - ۳۱

حوالہ ۲۷۹/۶

"عرب کی ملکی تقسیم کے بیان کرنے میں زمانوں کا لحاظ ضروری ہے، کیونکہ امتداد زمانہ سے ملکوں میں تغیر و تبدل پیدا ہوگیا ہے، جو نام اور مقام سابق میں تھے۔ ان میں سے بعض کا نام

نشان بھی باقی نہیں ہے"

۱- سلیمان ندوی (سید)

"علمائے سلف میں کتب بینی کا شوق" دسمبر ۱۹۰۹ء

ص ۲۲ - ۲۳

حوالہ ۲۷۹/۶

"موضوع پر بحث کی گئی ہے، اور تاریخی کتب سے مستند واقعات نقل کئے گئے ہیں جن سے کتب بینی کا شوق پیدا ہوتا ہے،"

۲- مکاتیب شبلی، اکتوبر ۱۹۰۹ء

ص ۱۵ - ۲۴

حوالہ ۲۷۹/۶

"مکاتیب شبلی کی تدوین کے سلسلہ میں اپیل کی گئی ہے"

۱- شبلی نعمانی (علامہ)

انجمن وقف علی الاولاد مئی ۱۹۱۰ء

ص ۱ - ۴

حوالہ ۲۷۹/۶

"کاروائی انجمن وقف علی الاولاد زیر حمایت ندوۃ العلماء"

۲- تصوف اگست ۱۹۰۹ء

ص ۱۵ - ۱۲۴

حوالہ ۲۷۹/۶

ایرانی شاعری کا عنصر اعظم تصوف ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ایرانی شاعری میں جس قدر حقیقت طرازی یا گرمیٔ تاثیر ہے صرف تصوف کا اثر ہے،

(شعر العجم جلد چہارم سے اقتباس)

۳۔ تمدنِ اسلام — اکتوبر ۱۹۱۱ء

ص ۱ - ۳۵

حوالہ ۲۷۹/۸

"جرجی زیدان ایک عیسائی مصنف نے یہ کتاب چار حصوں میں لکھی ہے، جس میں مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کی تاریخ لکھی ہے، اس کتاب میں مصنف نے در پردہ مسلمانوں پر نہایت سخت اور متعصبانہ حملے کیے ہیں"

جرجی زیدان کی کتاب پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے،

۴۔ نمائش گاہ علمی — اپریل ۱۹۰۶ء

ص ۵ - ۲۱

حوالہ ۲۷۹/۳

"ندوۃ العلماء کے اجلاس کے موقعہ پر ایک علمی نمائش کا انتظام کیا گیا ہے جس میں ملک کے مختلف اداروں نے حصہ لیا تھا، اس کی روداد بیان کی گئی ہے"

۵۔ مثنوی مولانا روم اور فلسفہ و سائنس" — جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

ص - ۲۷ - ۳۲

حوالہ ۲۷۹/۱

"مولانا کو اگرچہ مثنوی میں فلسفہ کے مسائل کے مسائل کا بیان کرنا پیش نظر نہ تھا

لیکن ان کا دماغ فطرۃً اس قدر فلسفیانہ واقع ہوا تھا کہ بلا قصد فلسفیانہ مسائل اُن کی زبان سے ادا ہوئے جاتے ہیں"

۶۔ وصیت نامۂ عالمگیر — مئی ۱۹۱۰ء

ص ۱۰ - ۱۲

حوالہ ۲۷۹/۵

"اُس وصیت نامہ سے عالمگیر کے اخلاق و خیالات کا صحیح اندازہ ہوتا ہے"

طفیل احمد (سید علیگ) — اکتوبر ۱۹۴۱ء

میرا طریق مطالعہ و تحریر — ص ۹ - ۱۲

حوالہ ۲۸۰/۲

"یہ ہے کہ میں جو کتاب پڑھتا ہوں اس کا خلاصہ ایک کاپی پر لکھ لیتا ہوں اور یہ عادت اس قدر پختہ ہو گئی ہے کہ کوئی کتاب بغیر خلاصہ کئے پڑھ نہیں سکتا"

۷۔ طلحہ حسنی (سید) — جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ

"میری محسن کتابیں — حوالہ ۲۸۰/۲

ضیاء الحسن علوی — جنوری تا اکتوبر ۱۹۴۱ء

"یادِ ایام" — حوالہ ۲۸۰/۲

ذاتی ڈائری کے اوراق جس میں لکھنؤ اور ندوہ میں گذرے ہوئے ایام کا تذکرہ ہے۔

عبدالباری ندوی — جنوری ۱۹۴۱ء

میری محسن کتابیں — ص ۱۶ - ۲۰ حوالہ ۲۸۰/۲

۱۔ عبدالرحمٰن ندوی — دسمبر ۱۹۱۴ء

"افلاس اور ہندوستان" ص ۱۱ - ۲۰ حوالہ ۲۸۴

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو تمام حیثیات کا جامع ہے اور تمام دنیوی اور اپنی ضروریات کے کفیل ہونے کا مدعی ہے، اس لحاظ سے ہم اپنے زیر بحث عنوان کے متعلق اسلام ہی کے نقطۂ نظر سے بحث کریں گے"

۲- "دعوت الی الخیر"

علوم جدیدہ کی ضرورت — اگست ۱۹۱۶ء ص ۸ - ۱۵، حوالہ ۲۸۷

"جن اغراض و مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ندوہ جیسی علمی و دینی تحریک کی تعمیر و تاسیس عمل میں لائی گئی ان کا اعادہ ایک سے زیادہ مرتبہ قومی اسٹیجوں پر کیا جا چکا ہے آج ہم پھر اسی ساز کو چھیڑتے ہیں"

۱- عبدالسلام ندوی — اپریل ۱۹۴۲ء

"خطبۂ صدارت" — ص ۱۸ - ۲۸ حوالہ ۲۸۰/۳

انجمن طلبائے قدیم ندوہ میں پڑھا گیا،

۲- عبدالسلام ندوی — دسمبر ۱۹۴۱ء

میری محسن کتابیں — ص ۴ - ۱۱ حوالہ ۲۸۰/۳

۳- یادگار سلف — جنوری ۱۹۱۱ء

ص ۲ - ۱۲ حوالہ ۲۷۹/۸

احمد زکی بک مصری نے عالم اسلام کی مشہور قلمی و نادر کتابوں کا تعارف جمع کرنا چاہا تھا، اسکی تعریف کی گئی ہے۔

عبدالسلام قدوائی ندوی — جون ۱۹۴۰ء

"اسلامی ممالک کے تعلیمی حالات" — ص ۲۵ - ۲۸ حوالہ ۲۸۷

عبدالکریم مبیر علوی — نومبر ۱۹۱۲ء

انتخاب الاخبار — ص ۱۸ - ۲۲ حوالہ ۲۷۹/۹

"وسط شوال تا ختم ذی الحجہ بابِ عالی محافظ مرکز اسلام کو چار ریاستوں نے ملا کر اعلان جنگ دیا ہے، سب سے پہلے یہ اعلان مانٹنگیرو والوں نے دیا ہے،

اس وقت کے حالات حاضرہ کی خبروں پر تبصرہ"

عبدالماجد دریابادی

"ایک نام کے ندوی کا دوسرا پیام" — جنوری ۱۹۴۱ء

ص ۲۶ - ۳۷ حوالہ ۲۸۰/۲

"یہ خطبہ مولانا نے بحیثیت صدر طلبہ قدیم ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۲۵ دسمبر ۱۹۴۰ء میں ارشاد فرمایا تھا"

عبیداللہ سندھی (مولانا) — فروری ۱۹۴۱ء

میری محسن کتابیں — ص ۴ - ۸ - حوالہ ۲۸۰/۲

عطا، شاہ حلیم — اکتوبر ۱۹۴۱ء

"میری محسن کتابیں" — ص ۴ - ۹ حوالہ ۲۸۰/۲

علوی، ضیاء الحسن — اپریل ۱۹۰۷ء

"فلسفہ تاریخ کا موجد کون تھا" — ص ۲۲ - ۳۱ حوالہ ۲۷۹/۴

عموماً لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فلسفۂ تاریخ کی ضرورت کی صدا یورپ ہی سے بلند ہوئی اور وہیں اس فن کی داغ بیل پڑی، اور نشو و نما پاکر یہ فن یورپ ہی کے علوم و فنون میں شمار کیا گیا غالباً یہ خیال اس وجہ سے پھیل گیا کہ یورپ نے اس زمانہ میں جو کچھ اس فن کو ترقی دی ہے، اس کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا گیا"

مضمون میں مندرجہ بالا مسئلہ پر ایک محققانہ و مورخانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

گیلانی - مناظر احسن — مارچ ۱۹۴۱ء

"میری محسن کتابیں" — ص ۷ - ۱۸ حوالہ ۲۸۰/۲

عمادی - عبداللہ، — جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ

"جبر و مقابلہ کی تاریخ"   ص ۱۱ - ۱۹ حوالہ ۲۷۹/۱

مصر کے ایک صاحب قلم فارس الخوری آفندی نے بڑے طمطراق سے دعویٰ کیا ہے، کہ مسلمانوں کی طرف جبر و مقابلہ کی نسبت صحیح نہیں مسلمانوں نے یونانیوں کی کچھ کتابیں ترجمہ کیں مگر خود وہ اس فن میں صاحب تصنیف ہو کر مجتہدانہ حیثیت پیدا نہ کر سکے۔

مندرجہ بالا دعویٰ کی تردید میں جبر و مقابلہ کی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے۔

غلام السیدین (خواجہ)   جنوری ۴۲ء

میری محسن کتابیں   ص ۴ - ۱۷ حوالہ ۲ش/۳

معین الدین بہاری   فروری ۱۹۱۲ء

حرم نبوی   ص ۱۵ - ۲۳ حوالہ ۲۷۹/۹

"سرزمین حجاز کا وہ مقدس شہر جو مدینہ یا مدینۃ الرسول کے نام سے موسوم ہے، اسلام کا ایک زندہ معجزہ ہے، دنیا میں سینکڑوں مذہب ہیں لیکن کوئی مذہب اپنے صاحب مذہب کی وہ یادگار نہیں پیش کر سکتا جو اسلام پیش کر سکتا ہے۔"

م - ن ندوی   "دولائی لامہ"   شوال ۱۳۳۳ھ حوالہ ۲۸۵

"دولائی لامہ علاوہ مذہبی پیشوا ہونے کے ملک کا بادشاہ بھی ہے اور اندرونی معاملات میں ایک حد تک مطلق العنان ہے۔"

میمن - عبدالعزیز   "میری محسن کتابیں"   نومبر ۱۹۴۱ء ص ۴ - ۹ حوالہ ۲ش/۲

ندوۃ العلماء   "عربی ایڈریس"   دسمبر ۱۹۰۸ء ص ۴ - ۸ حوالہ ۲۷۹/۵

ندوۃ العلماء کی طرف سے سر جان برسکاٹ ہیوٹ کے سی، ایس، آئی اے نائب حاکم عام کو پیش کیا گیا تھا۔

نواب علی   "میری محسن کتابیں"   اگست ۱۹۴۱ء ص ۲۷ - ۳۱ حوالہ ۲ش/۲

یوسف الدین محمد   "سنہ شمسی ہجری"   مارچ ۱۹۱۲ء ص ۱۵ - ۲۲ حوالہ ۲۷۹/۱

"ایک تقابلی تقویم کا جزو جس میں ۱۰ھ کے واقعہ صوم کا ذکر ہے۔"

مطبوعات جدیدہ

مسلمان اور سیکولر ہندوستان - مرتبہ ڈاکٹر مشیر الحق صاحب تقطیع متوسط، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ صفحات ۱۸۰ مجلد قیمت ۸ روپیے پتہ :- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی نمبر ۲۵

زیر نظر کتاب میں سیکولرزم کی مختلف تعبیریں بیان کر کے اس کے اور سیکولر ریاست کے بارہ میں مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے، یہ مندرجہ ذیل پانچ ابواب پر مشتمل ہے، (۱) مذہب، سیکولرزم اور سیکولر ریاست (۲)، دینی تعلیم (۳)، دینی رہنمائی: ماضی کا ورثہ (۴) قانون اور شریعت (۵) مبہم سیکولرزم۔

پہلے باب میں مذہب و سیکولرزم کا مفہوم، سیکولرزم کے متعلق مسلمانوں کے مختلف تصورات، ان کے دلائل، ایک گروہ کے دوسرے گروہ کے نقطۂ نظر کے بارہ میں ردعمل، مختلف نظریات میں قدر مشترک اور آخر میں اس نتیجہ کا ذکر ہے کہ "سیکولرزم اور سیکولر ریاست پر مسلم سماج ابھی ایک دبدھے کی حالت میں ہے، کیونکہ وہ اپنی مذہبی رہنمائی کی خاطر علماء پر انحصار کرتا ہے"۔ اسی مناسبت سے دوسرے اور تیسرے باب میں علماء کے زیر نگرانی چلنے والے عربی مدارس کے متعلق نہایت مفید معلومات بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ دوسرے باب میں مدارس کے نظام تعلیم کا جائزہ لیا گیا ہے، اور ان کے نظم و نسق، اخراجات، اصلاح نصاب، آزادی سے پہلے اور بعد کے مدارس کا تقابل اور ان کے متعلق اور دوسری باتیں قلمبند کی گئی ہیں، اور تیسرے باب میں مدارس کے شعبۂ افتاء کا مفصل تعارف کرایا گیا ہے، اس میں اس کی مختصر تاریخ، ہندوستان میں فتویٰ نویسی کی نوعیت اور نظام افتاء

سے مسلمانوں کے استفادہ اور رہنمائی وغیرہ کا ذکر ہے، چوتھے باب میں شرعی قوانین یعنی مسلم پرسنل لا میں اصلاح و تبدیلی کے مطالبہ کے بارہ میں مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے رجحانات اور حکومت کے عزائم اور منشا کی وضاحت کی گئی ہے، آخری باب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ سیکولرزم کی مختلف تعبیروں کی وجہ سے ابتک مسلمانوں کے سامنے اس کی واضح تصویر سامنے نہیں آسکی ہو، اسلیے وہ عموماً اس سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، کتاب کے آخر میں تین ضمیمے ہیں، ان میں بالترتیب مسلم پرسنل لا قانون اطلاق شریعت (۱۹۳۷ء)، قانون تنسیخ نکاح (۱۹۳۹ء)، خصوصی قانون نکاح (۱۹۵۴ء) کے خلاصے دیے گئے ہیں، فاضل مصنف نے مسائل کا تجزیہ غیر جانبداری کے ساتھ کیا ہے، اور ہر طبقۂ خیال کے نقطۂ نظر کی بے کم و کاست ترجمانی کی ہے، ممکن ہے ان کے بعض رجحانات و نتائج ہر شخص کے لیے پوری طرح قابل قبول نہ ہوں لیکن انھوں نے بڑے غور و فکر اور گہرے مطالعہ کے بعد یہ کتاب لکھی ہے، اس لیے یہ پرمغز اور حشو و زوائد سے خالی ہے، ان کے خیالات معتدل و متوازن، تحریر شائستہ و سنجیدہ اور انداز بیان علمی ہے۔

سرسید احمد خاں منتخب کتابیات، مرتبہ جناب محمد حسین رضوی تقطیع کلاں، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر صفحات ۶۵، قیمت تحریر نہیں، پتہ مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی یہ سرسید احمد خاں مرحوم کے متعلق مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی انگریزی اور اردو کتابوں اور رسالوں کی فہرست ہے، اس میں سرسید کے تمام کتب و رسائل اور مکتوبات و مضامین اور ان پر لکھی گئی دوسرے ارباب قلم و مصنفین کی تصنیفات ...... اور ان کتابوں کا ذکر ہے جن میں ایک مضمون بھی سرسید یا علی گڑھ تحریک کے بارے میں ہے، کتابوں کے سائز، صفحات کی تعداد، مطبع، سنہ اشاعت اور رسالوں کی جلد و نمبر اور ماہ و سنہ کی تصریح بھی کی گئی ہے، سرسید اور علی گڑھ پر تحقیقی کام کرنے والوں کو اس فہرست سے بڑی مدد ملے گی،

"ض"

جلد ۱۱۳۔ ماہ محرم الحرام ۱۳۹۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۷۴ء۔ عدد ۲

مضامین

مقالات

باب التقریظ والانتقاد

ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں

عہد مغلیہ کے پہلے کے حکمرانوں، مذہبی رہنماؤں اور روحانی پیشواؤں کی سبق آموز کہانیاں

قیمت پانچ روپئے۔